راہ کے مسافر

ہم آزادی آزادی بہت پکارتے تھے، ہم آزاد ہوئے اور آپ اپنی قسمتوں کے مالک ہو گئے، مگر اسی کے ساتھ ایسا انقلاب بھی آیا جو ہمارے تصور سے بالاتر تھا، جس نے ہمارے نظام تمدن کی بنیادیں ہلا ڈالیں، ذہنیتیں بدلیں، اخلاق کے آبگینے شکست ہوئے۔ مذہب کا قوام بگڑا، روایات کی دھجیاں اڑیں، تہذیب کا دیوالہ نکالا، انسانیت کا نام ونشان مٹا، جماعت اہل حدیث جو انگریزی دور میں ہی اپنی جوہریت کو کھو بیٹھی تھی وہ انقلاب کے تھپیڑوں کو کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مذہبی تحریک جو بذات خود دنیا کا سب سے بڑا انقلاب تھا، انقلاب کی نظر ہو گئی۔ لیکن جو لوگ سچائی کو لے کر اٹھتے ہیں، ٹھوکر کھاتے ہیں اور سنبھلتے ہیں، ہزیمت اٹھاتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔

جماعت اہل حدیث واقعی اسلامی روح کی علمبردار ہے، اسے انقلاب کے اثرات کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنا چاہیے۔ فتح سچائی اور حق کے لئے ہے آج نہیں تو کل اس کی فتح ناگزیر ہے۔

جماعت اہل حدیث کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں، اس نے ہمیشہ روح ودماغ سے خطاب کیا ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ کردار پر رہی ہے، اس کا پیغام ''آمنوا وعملوا الصالحات'' ہے اس کا شعبہ تجدید احیاء دین ہے۔ مگر جماعت قال کے بجائے حال کی طرف آئے اور افراد کے کردار میں انقلاب پیدا کرے۔ اس لئے کہ آج دنیا میں اسی جنس کی قدر ہے جس کی عملی حقیقت ہو، ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ ہر ایک فرد کو اسلام کے اصولوں کی چلتی پھرتی کتاب بنادیں، اور اپنے کردار سے اسلام کی صداقت پر شہادت دیں۔

(مولانا محمد عثمان فارقلیطؒ)

درس حدیث

راہِ الٰہی میں خرچ ایک نفع بخش تجارت

محمد اظہر مدنی

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن يوم يصبح العباد الا ملكان ينزلان فيقول احدهما: اللهم اعط منفقا خلفا ويقول الآخر. اللهم اعط ممسكا تلفا (۱۴۴۲ بخاری /كتاب الزكاة/ باب فاما من اعطى واتقى) (مسلم: ۱۰۱۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر دن صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک (یہ دعا کرتے ہوئے) کہتا ہے۔ اے اللہ! مال خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال تباہ کر دے۔

تشریح: قرآن واحادیث میں متعدد مقامات پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی اہمیت وافادیت اور فضیلت کا ذکر ہے۔ اسی طرح مال نہ خرچ کرنے کی صورت میں یا مال کو روک روک کر اور سینت سینت کر رکھنے یا کسی بھی شکل سے اس کو دبا کر رکھنے پر سخت وعید آئی ہے۔

قرآن کریم نے انفاق فی سبیل اللہ کو ایک نفع بخش تجارت قرار دیا ہے اور وہ بھی ایسی تجارت جو اللہ کے ساتھ بغیر کسی واسطے کے کی جائے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کی جانے والی کوئی بھی تجارت نقصان دہ ہو ہی نہیں سکتی ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی غش ہے، نہ دھوکہ دھڑی، اور نہ ہی عہد و پیمان ٹوٹنے کا ڈر ہے اور نہ ہی اجرت ورنج نہ ملنے کا خوف، بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، رنج ہی رنج ہے اور مال سے کئی گنا زیادہ فائدہ ہے جو دنیا کے کسی بھی بزنس میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی وقت کا کوئی قارون دے سکتا ہے۔ یہ تو بندے اور اس کے آقا کا مسئلہ ہے۔ جس کی جزاء اور بدلہ صرف وہی دے سکتا ہے، جو بڑا مہربان، بڑا کریم اور بڑا ہی رحیم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (سورہ فاطر: ۲۹-۳۰) جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سبا: ۳۹) اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اور سورہ الحدید میں ارشاد فرماتا ہے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔

اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں متعدد ایسی حدیثیں ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے مال خرچ کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کے بے شمار فوائد ومنافع اور اجر عظیم کا بھی ذکر فرمایا۔ ایک موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہا ''انفق بلال ولا تخش عن ذی العرش اقلالا'' بلال! خرچ کرو اور عرش والے کی طرف سے کسی کمی کا خوف نہ کرو، دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے صدقہ کی افزائش ایسے کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا صدقہ ایک پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے۔ راہ الٰہی میں خرچ کرنے کے بہت سارے فوائد ہیں اس کے ذریعہ تزکیہ نفس ہوتا ہے، اللہ کی غیبی مدد آتی ہے، قبر کی تپش کو بجھاتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا شمار بروز قیامت ان سات خوش نصیبوں میں سے ہوگا جن کو عرش الٰہی کے نیچے جگہ نصیب ہوگی لہٰذا راہ الٰہی میں خرچ کرنے والے کو اس بات سے نہیں ڈرنا چاہیے کہ اس کے مال میں کمی ہو جائے گی یا وہ فقر وفاقہ کا شکار ہو جائے گا بلکہ اسے بلا خوف وخطر احادیث رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے راہ الٰہی میں بے دریغ خرچ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ما نقصت صدقة من مال'' صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اضافہ، بڑھوتری اور خیر وبرکت کا سبب بنتا ہے۔ اور مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اتنے سارے بھیڑ بکریوں کا مطالبہ کیا جس سے دو پہاڑوں کے بیچ کی خالی جگہ پر ہو جائے تو رسول اکرم ﷺ نے اس کے مطالبہ کو پورا کیا پھر جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹا تو کہنے لگا کہ اے میری قوم کے لوگو! ''فوالله ان محمدا ليعطى عطاء من لا يخاف الفقر'' تم سب اسلام قبول کر لو۔ کیونکہ اللہ کی قسم محمد ﷺ تو اس شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے کبھی فقر وفاقہ کا کوئی خوف واندیشہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم جب اس عظیم تجارت کے لئے آگے بڑھیں تو اس کے تقاضے کو ملحوظ رکھیں کیونکہ بہت ساری ایسی چیزیں جو اس عظیم تجارت کی روح کے منافی ہیں ان کے صدور سے ان کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے جیسے نیت میں کھوٹ، ریا کاری، شرک، احسان جتانا، مال دینے کے بعد واپس لے لینا یا اسی طرح ردی اور خراب چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے منتخب کرنا یا بلاوجہ، کسی ضرورت کے بغیر، تشہیر کرنا وغیرہ ساری چیزیں جن سے اس عظیم تجارت میں کمی آجاتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کے لئے پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راہ الٰہی میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے اجر وثواب کو ضائع کرنے والی تمام چیزوں سے بچنے کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔ وصلى الله على نبينا محمد سلم تسليما كثيرا ☆☆

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
صلح وجنگ کے اوقات میں امن کے تقاضے	۶
نعت نبی محمد مکرم ﷺ	۱۰
کرپشن کے خاتمہ میں اسلام کا کردار	۱۱
شعبان فضائل واعمال اور رسومات	۱۷
شادی کو آسان بنائیں	۲۲
منشیات سے نوجوانوں کی حفاظت میں معاشرے کا کردار	۲۴
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۲۸
جماعتی خبریں	۲۹
ابیات ترحيبية	۳۰
اعلان داخلہ المعهد العالی	۳۱

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک

سالانہ ——— ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ——— ۷/روپے
پاکستان ——— ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

أنصر أخاك...

اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ یہ ایک ٹھیٹھ دینی، ایمانی، اخلاقی اور مذہبی بات ہے۔ کچھ لوگ اسے قدامت پسندی، کٹرپنتی اور فنڈامینٹلزم سے بھی تعبیر وتوجیہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ کسی بھی دھرم سے تعلق رکھنے لگا ہو اَدھرمی اور ملحد ہو یا دھرم کا مکھوٹا لگائے خالص بے دینوں، بد مذہبوں، دین بیزاروں اور دنیا داروں کا کام کر رہا ہو۔ بسا اوقات اس کا اعتراف ضرور کرتا ہے کہ نیت اور اخلاص کا اثر اعمال پر پڑتا ضرور ہے۔ یہ صرف دین پسندوں اور ایمانداروں کا مذہبی فارمولہ نہیں ہے کہ عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے بلکہ ہر کہہ ومہ خواہی نہ خواہی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر سماج ومعاشرہ اور جماعت وفرد کے یہاں محاورہ ومسلمات کے طور پر زبان زد عام وخاص ہے کہ جیسی نیت ویسی برکت۔ الغرض ان اقدار وتعلیمات اور فطری امور کا اعتراف واذعان عام زندگی میں بھی ہے۔ چاہے معاشرہ مذہبی اعتبار سے جتنی زیادہ پستی اور دوری کا شکار ہو، یا دعویدارِ ترقی اور ماڈرن ہو۔ اور یہیں سے یہ بات بہت صاف صاف اور واضح لفظوں میں عرض کرنا ضروری ہے کہ آج دنیا کو صنعتی، سائنسی، اقتصادی معاشی وسیاسی ترقی جو ناگزیر ہے اس سے زیادہ اسے دین واخلاق کی سخت ضرورت ہے بلکہ اسے اولیت حاصل ہے۔ اور اگر دنیا اس حقیقت کا ایماندارانہ اعتراف کرلے، دین بیزار حضرات اس کو تسلیم کر کے آگے بڑھیں اور دین دار حضرات اس کا پاس ولحاظ رکھ کر الدین الخالص کو موجودہ متعفن سیاست سے ملوث نہ کر کے اصل دین کے اصلی دیندار وپیروکار بن جائیں، ربط جماعت وملت تدبیر منزل، تشکیل سماج ومعاشرہ اور سیاست مدنیہ داخلیہ وخارجیہ اخلاص نیت سے ہی عبارت ہے، اور جس میں دین وسیاست کی تفریق نہیں ہو تو پھر دنیا محبت ویگانگت اور امن واطمینان کا گہوارہ بلکہ جنت نشاں بن جائے۔ یہاں تھوڑی ہوشمندی، قدرے ایمانداری اور انصاف، تأنی وٹھہراؤ اور سنجیدگی سے کام لینا ہوگا۔ یعنی دین کی حقیقت اور اس کی عظمت کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور دین کو جس قدر ہم نے من مانی یا بے راہروی کی وجہ سے کسی خاص خول میں بند کر رکھا ہے اس سے اوپر ہٹ کر اس کی جامعیت وآفاقیت اور عمومیت وشمولیت کو اس کے بنانے والے اور سنسار کو پیدا کرنے والے رب العالمین کی وسیع تعلیمات اور منشاء کو پڑھنا اور ماننا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ سیاست کو موجودہ خودساختہ سیاست اور اس میں بھی اپنی تمام اہواء اور خواہشات، منمانیوں، بے راہ رویوں، مفاد پرستیوں اور ذاتی منفعتوں سے آزاد کر کے اس کے اصل معنی ومفہوم اور مقصود پر واپس لانا ہوگا۔ جس پر کسی بھی ملک، قوم اور انسانیت کے پرامن، خوشحال اور خوشگوار زندگی گذارنے کا انحصار ومعیار ہوتا ہے۔ پھر تو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ نہ رہیں گے جراثیم اور وائرس،

نہ رہے گی بیماری۔ پھر تشخیص در تشخیص، علاج در علاج اور دوا در دوا کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اور نہ یہ کہنے کی ضرورت پڑے گی کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پھر دین اور سیاست کے نام پر سارے کھیل ختم ہوجائیں گے۔ نہ خالص دنیا دار تعمیر وترقی اور عصرانیت وماڈرن ازم کے نام پر اپنی ڈفلی الگ بجائیں گے اور دین پسندی کو طعنۂ رجعت قہقری دیں گے اور نہ فنڈامینٹلزم اور قدامت پسندی کے نام پر تحقیر کریں گے اور نہ دین کے علمبردار دنیا کی تمام دینی واخلاقی خرابیوں کا ٹھیکرا سیاست دانوں اور حکمرانوں کے سر پھوڑیں گے اور نہ ''دین ودنیا بہم آمیز کہ اکسیر شود'' کا نسخہ کیمیا اور تریاق تلاش وایجاد کرکے واہ واہی بٹوریں گے۔

کیا روئے زمین پر انبیاء کرام اور سب سے افضل نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مکمل واکمل اور عمدہ وبہترین دین کسی کے پاس تھا اور ہر چھوٹے بڑے، خورد وکلاں، خانگی وملکی اور عالمی گتھیوں کو اور قبائل وشعوب کے مسائل کو سلجھانے اور باہم شیر وشکر کرنے میں آپ سے زیادہ کوئی اور موفق وبامراد اور صاحب فوز وفلاح آیا ہے یا آئے گا؟ ہرگز نہیں۔ پھر آپ یہ تفرقہ دین وسیاست کے درمیان کیوں پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس میں الجھے ہوئے کیوں ہیں۔ اس کے نام پر باہم دست وگریباں کیوں ہیں۔ آپ کے مسائل سلجھنے کے بجائے الجھتے اور بننے کے بجائے روز بروز بگڑتے کیوں جارہے ہیں۔ غور کیا آپ نے کبھی؟ عجیب سادہ لوح ہیں آپ اور عجیب دینی ہیئت وعادت بنا رکھی ہے آپ نے۔ غضب تو یہ ہے کہ آپ کے اپنے تمام امراض کا علاج اور دوا بھی اسے مان لینے کے باوجود مرض دور ہی نہیں ہورہا ہے بلکہ اور زیادہ مزمن وموذی اور مہلک مرض کا شکار ہورہے ہیں اور اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیے جارہے ہیں۔ جس کی خاطر بیمار ہوئے تھے۔ آپ اس مغالطے اور سفسطے سے باہر آیئے۔ اور خدارا انصاف فرمایئے اپنے ساتھ بھی اور اپنے معاشرے کے ساتھ بھی۔ اپنے ملک وملت اور عالم اور تمام انسانیت کے ساتھ بھی۔ اور پکڑ لیجئے اللہ کی رسی کو، عوام کے ساتھ ہمدردی کو، خلق خدا کی خدمت ومحبت کو اور لگ جایئے اس کار خیر میں کہ اس کا بدل نہ دنیا میں صوم وصلوۃ، نہ رکوع وقیام، نہ فتوح بلدان اور نہ کشور کشائی، کچھ بھی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ، اور ٹھان لیجئے آج سے اور بنایئے شعار اپنا کہ ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' (یوسف:۴۰) ''الخلق عیال اللہ'' (بزار) اللہ رب العالمین ہے، رب المسلمین، رب المشرق، رب المغرب، رب یورپین، واسپین اور رب امریکین وآسٹریلین اور رب الافریقین اور جنوبین وشمالین نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایشین اقوام کا ہے بلکہ وہ رب المشارق اور رب المغارب ہے۔ آپ اگر اس کو مانتے ہیں تو سب کو مانئے، اس کا حق ادا کرتے ہیں تو اس کے بندوں کے حقوق کی پاسداری کیجئے۔ جو اپنے لیے چاہتے ہیں وہ سب کے لیے چاہئے، جو دین واخلاق اور سیاست وتدبیر اپنے لیے اور اپنے ملک اور براعظم کے لیے کرتے ہیں وہی دیگر براعظموں اور اس کے واسیوں کے لیے کیجئے۔ دیکھئے کتنی اچھی سیاست ہوتی ہے اور کیسے سیاست بازی ختم ہوتی ہے۔ آیئے! دیر نہیں ہوئی۔ جھٹک دیجئے ان اوھام کو اور پکڑ لیجئے متحد ومجتمع ہوکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے اور ہوجایئے بھائی بھائی اور بن جایئے دیوار سیسہ پلائی اور پھر دیکھئے اللہ جل شانہ کی رحمتوں کی کارفرمائی۔ اور جس دن آپ ایسا کرلیں گے سارے جہاں کے سارے جنجال اور بھونچال سے نجات پاجائیں گے۔ سارے جھگڑے، فساد اور جھمیلے ختم ہوجائیں گے اور روئے زمین عدل وانصاف، اخوت ومحبت، اخلاق ومروت اور امن وآشتی سے بھر جائے گی۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان جب اللہ والا ہوجاتا ہے اور اس کی مخلوق کا بہی خواہ وہمدرد ہوجاتا ہے اور سب کا حق ادا کرنا اولین فرض اور فرض الٰہی سمجھتا ہے، تو اللہ بھی اس بندے کا ہوجاتا ہے۔ اس لیے دنیا میں جتنے نیک بندے گذرے ہیں خصوصاً جن کو اقتدار وسلطنت حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے دین کی بنیاد پر حکمرانی کی ہے، دراصل انہوں نے رب کی بندگی اور اطاعت کی ہے اور اس کے بندوں اور مخلوق کا حق بھی بحسن وخوبی ادا کیا ہے۔ اور اس کے ثمرات وبرکات سے ساری سلطنت اور دنیا جہان مستفید اور مامون ومطمئن رہی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ حسن کردار کو ہر شعبۂ زندگی میں رائج کیا جائے اور دین وایمان، سچائی وانسانیت اور للّٰہیت کی بنیاد پر ایک ادنیٰ اور معمولی فرد اور جماعت سے لے کر ایوان بالا اور عالمی اور بین الاقوامی پلیٹ فارموں تک اسی روح کی کارفرمائی ہونی چاہئے۔

ماضی کی داستان کو چھوڑو، حال کے واقعات وحالات پر نظر ڈالو تو اس کی بچی کچھی سچائیاں منظر عام پر آجائیں گی۔ مملکت سعودی عرب اور اس کے حکمرانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اپنے قدیم وجدید دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کبھی بھی ناانصافی نہیں کی۔ اسلامی اور اخلاقی ضابطوں کو پامال نہ ہونے دیا۔ دشمن کی لاکھ ریشہ دوانیوں اور دوست کی ہزار کج ادائیوں کو اخلاص، حکمت وہمت، عالی ظرفی اور انتہائی متانت سے لیا۔ دراصل اگر ایک طرف دین کی روح اور اس کی عظیم وعمیق بنیادیں ان کی رہنمائی کررہی تھیں تو دوسری طرف ان کی اعلیٰ ظرفی اور انسانیت نوازی بھی رہی۔ وہ اعلیٰ قدروں کے حامل اور خوگر رہے ہیں اور رکھ رکھاؤ اور وضع داری اور اخلاق وکردار کی پاسداری ان کی طبیعت ثانیہ ہے۔ آپ انصاف کی عینک سے ایک لمحے کے لیے ان کی طویل تاریخ پر غور کریں۔ مشرق وسطیٰ، عالم اسلام اور ان کے اندرونی وبیرونی معاملات اور نزدیک کے حلیفوں اور حریفوں اور ان کے مختلف ومتعدد اور انتہائی پیچیدہ بنائے ہوئے معاملات وحالات کا بغور مطالعہ وملاحظہ کریں تو آپ عجیب اضطرابی، سیمابی، سراسیمگی بلکہ اعصابی تناؤ کے شکار ہوکر رہ جائیں گے۔ اور اس طرح کے حالات میں جیسے بڑے سے بڑے سیاستداں اور ماہر ومحنک صاحب علم وعرفان بھی کچھ ناخوشگوار اقدامات پر مجبور ہوجاتے ہیں جس سے مسائل بڑھتے ہیں اور معاملات انتہائی پیچیدہ اور دشوار ہوکر سب کی پریشانی اور تباہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ مصر وشام کے حالات، لیبیا وعراق کے سانحات، کوریا وجاپان اور امریکہ اور روس، افغانستان وپاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان وغیرہ کے حادثات کیا ہمارے سامنے روز روشن کی طرح عیاں نہیں ہیں؟۔ دراصل آل سعود اور علماء وصلحاء قوم کی دینداری ووضعداری اور انسانیت نوازی نے انہیں ہر طرح کے افراط وتفریط سے مامون ومحفوظ رکھا۔ جس سے صرف ان کو ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کو فائدہ وفیض پہنچا اور آج بھی ان کا فیض پہنچ رہا ہے۔ ایک ادنیٰ خاندان بلکہ دوعام افراد میں بھی چندنجی

مسائل میں اگر اختلاف وشقاق کی نوبت آجائے اور علم وعمل اور حکمت وصبر سے کام نہ لیا جائے تو اس اختلاف کی آنچ پتہ نہیں کتنے ہی گھروں اور دروں بلکہ دلوں تک پہنچ کر رشتوں، ناطوں، تعلقات اور دوستی کو جھلسادیتی ہے اور اس آگ کی تپش تو قاصی و دانی سب ہی محسوس کرتے ہیں اور اس کی کڑواہٹ دور اور دیر تک محسوس کی جاتی ہے۔ اور اس طرح ناکردہ گناہوں کی سزا ایک بالکل لازم اور محدود ومتعین بیماری (اختلاف وشقاق) متعدی، وسیع اور شر مستطیر اور فتنہ عریض بن جاتی ہے۔ اور دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے اور دوست کا دوست دوست ہونہ ہو دوست کا دشمن، دشمن ضرور بنا دیا جاتا ہے۔ آج جس طرح دین واخلاق کے کمزور پڑنے، مفادات وخود غرضی ومطلب براری کا بازار گرم ہونے کی وجہ سے ان خود ساختہ دنیا دارانہ، بے رحمانہ اور انتہائی قبیح محاورے ومقولے کا رواج کچھ زیادہ ہی ہے۔ بلکہ دنیا کی اکثر مشکلات اسی ناعاقبت اندیشی اور بدظنی کی مرہون منت ہیں۔ آج ایک خانوادہ اور کنبہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا طرح طرح کے خانوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، الگ الگ بلاک بنے ہوئے ہیں، عجیب طرح کی گروپ بندیاں وجود پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ پارٹی بندی، دھڑابندی اور لام بندی تو انسانی معاشرے کی قدیم برائیاں اور عادتیں رہی ہیں جو اس ترقی کے دور اور دوڑ میں کچھ زیادہ ہی ترقی یافتہ ہوچکی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جو جتنا ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ہے وہ اُتنا ہی ان لابیوں اور لام بندیوں کا ماہر ومحترف ہے۔ ایسے میں کون ہے جو اپنا دامن ان آلائشوں اور دھڑابندیوں سے بچالے جائے؟۔ غالبا محال وناممکن تو ممکن الوقوع ہوجائے مگر اس دور کے ان امراض متعدیہ سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔ الا من رحم ربی . وھو المستعان وعلیہ التکلان.

لیکن آپ نے بارہا ملاحظہ کیا ہوگا کہ ایسے نازک حالات میں بھی مملکت سعودی عرب نے بہت سے مسائل حل کئے اور عجلت پسندی سے روکا جس کی وجہ سے عالم اسلام اور دنیا جہان بہت سارے خرخشوں اور تباہیوں سے بچ گئی۔

ابھی حالیہ دنوں کی بات ہے۔ سعودی عرب جس کے بہترین تعلقات ہمارے پڑوسی ملک سے ہیں اور اتفاق سے اس پر اسلام کا لیبل بھی لگا ہوا ہے جب کہ سعودی عرب حقیقی طور پر اسلام کا ظاہرا وباطناً اور قانوناً واخلاقاً علمبردار ووفادار ہے اور ہمارے ملک ہندوستان سے اس کے قدیم ودیرینہ تعلقات استوار ہیں۔ ان دو دوستوں سے تعلقات کی استواری بلکہ استقراری واستمراری ان دونوں پڑوسی بھائیوں کی آپسی دشمنی اور تناؤ بلکہ بگاڑ کہا جائے سب کو کہاں لے جاکر چھوڑے گا کتنا مشکل مرحلہ اور معاملہ ہے۔ مگر جب اخلاص وللٰہیت اور ڈسپلن ہو تو جہاں اپنی آبرو بچانا محال ہوتا ہے وہاں بھی انسان ان دو دشمنوں میں قربت کا سبب بن جاتا ہے۔ یا کم از کم عداوت ونفرت کی گرم بازاری میں محبت والفت کا رس نہ گھول سکے تو اس کی حدت وشدت کو ضرور کم کردیتا ہے۔ اور ٹھیک یہی کام سعودی عرب نے دنیا کے بہت سے آپسی حریفوں کے درمیان کیا ہے۔ اور آج ہمارے وطن عزیز کے ساتھ بھی اس کا یہی دوستانہ اور غیر جانبدارانہ رویہ رہتا ہے۔ ساتھ ہی وہ کسی بھی ملک سے جو ہمارا دشمن یا حریف ہو اس سے تعلق کی بنیاد پر وہ فریق بننا ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ البتہ دین وایمان اور ان بلند انسانی واخلاقی اور بین الاقوامی ضابطوں اور قدروں کی روشنی میں وہ دونوں کو جس قدر قریب لاکر بھائی بھائی بنانے اور صلح صفائی کا کام ضرور کرتا ہے جیسا کہ الامارات العربیہ المتحدہ کے تعاون واشتراک سے اس نے ان دونوں پڑوسی ملکوں صنوان اور چھوٹے بڑے بھائیوں کے ساتھ کیا ہے اور اس کے فوری اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ انتہاء کو پہنچی ہوئی حدت وشدت میں کمی آئی ہے۔ اور سر پر منڈلاتی ہوئی جنگ وجدل کو ٹال دینے کی حالت پیدا ہوگئی ہے۔ اور اگر دو پڑوسیوں نے ایک دوسرے کا یا کم از کم اپنا صحت مندانہ خیال رکھا تو تمام مسائل کا حل یقیناً نکلے گا۔ دونوں پھلیں گے پھولیں گے اور ایک خوشگوار، محبت آمیز اور پرامن ماحول میں دونوں بنیان مرصوص بن کر پورے خطے اور ایشیا کو ہی نہیں بلکہ بہت ساری دنیا کو ایک بہترین پیغام امن وانسانیت دینے کے اہل وعلمبردار بھی ہوجائیں گے۔ کیوں کہ قومیں اپنے اخلاق وکردار اور اعمال سے بنتی، سنورتی اور ترقی یافتہ بنتی ہیں نہ کہ وقتی طاقت وقوت اور سیاست کے زعم اور نشے میں مست ہوکر۔ یہی بات تمام اہل مذاہب ومسالک، جماعتوں اور احزاب وپارٹیوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے۔

یہ تھی بڑی بات جو ایک چھوٹے سے منہ سے نکلی ہے اور نوک قلم پر آگئی ہے۔ ہے یہ ظاہر میں کڑوی، پر حقیقت میں ہے مصری کی ڈلی۔ کیونکہ جو لوگ اچھے ہوتے ہیں وہ کچھ خراب پہلوؤں سے بھی اچھی راہیں نکال لیتے ہیں، بدگمانیوں اور تہمتوں کی جگہوں پر پڑے رہنے والوں کو بھی اس تہمت سے بچالیتے ہیں۔ یہ اعلیٰ ظرفوں اور عمدہ اخلاق وایمان والوں کی شان اور کارنامہ ہوتا ہے۔ عام طور پر جسے دنیا برائی اور نقصان کے لیے جانتی اور استعمال کرتی ہے وہ اسے سراپا بھلائی دیکھتے ہیں اور اسے باعث فوز وفلاح اور لائق اجر واصلاح بنا دیتے ہیں۔ دیکھو! عرب معاشرے میں ایک گندی سیاست یہ چلتی تھی اور غالباً ساری دنیا میں بھی یہ چلن عام اور باعث ندامت انام ہے "أنصر أخاك ظالما أو مظلوما" اپنا بھائی ظالم ہو یا مظلوم دونوں صورتوں میں اس کی مدد کرنے لگ جاؤ۔ یہ جاہلی نعرہ ہے۔ اسلام نے اس کا رخ خوبصورتی کے ساتھ دوستی اور بھائی چارہ کا حقیقی حق ادا کرنے کی طرف موڑ دیا اور تلقین کی کہ دوست، پارٹنر، پڑوسی اور حلیف کو ظلم اور دہشت گردی کرنے سے روک کر مدد کرو اور اس کے درمیان اس کے دشمنوں کے معاملات اور بڑھی ہوئی مشکلات کو حل کراکر مدد کرو۔ دشمن کا دوست سمجھ کر دشمن مت بناؤ اور نہ بنو، دونوں کا دوست بن کر دونوں کی دوستی پکی اور مکمل کرو۔ پھر دیکھو دشمن اور دوست کا دشمن فطری وجگری دوست کیسے بن جاتا ہے؟۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب بندہ اپنے پیدا کرنے والے کا ہوجاتا ہے۔ "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" (الطبرانی) کا یہی مطلب ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے۔ اگر نہ آئے تو پھر ایک کا دوست بن کر، طاقت بہم پہنچا کر، ورغلا کر اور مدگار بن کر لڑاتا ہے، پھر دونوں کا دوست بن کر تماشا دیکھتا ہے۔ یوں دوست جنگ وبدھ کی چکی میں پستا ہوا کمزور ولاغر ہوجاتا ہے۔ پھر یہ دیرینہ دوست دوسروں سے دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ جب تک اس کا بھی دم نہ نکلوا ڈالے۔ آج کچھ بڑی طاقتیں یہی کر رہی ہیں اور یوں۔ ع

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

☆☆☆

بموقع ۳۴ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

بقلم: عبدالسلام بن صلاح الدین مدنی

صلح وجنگ کے اوقات میں امن کے تقاضے

الحمدلله رب العالمين، والصلوة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد

مزدکی ہوکہ فرنگی خیال خام میں ہے
امن عالم تو فقط دامن اسلام میں ہے

اسلام دین امن وصلح ہے، ایمان دین امن وامان ہے یہ ایسا دین ہے جہاں آشتی اورشانتی کا باغ وبہار ہے، سکون واطمینان کا گل وگلزار ہے، نفرت عداوت، بغض وحسد سے ہمارا یہ دین دور وبیزار ہے اوراس کا کہیں بھی گزر نہیں، چاہے صلح کے حالات ہوں یا جنگ کے دوستی کا ماحول ہو یا دشمنی کی فضا، کسی بھی لحظہ امن سے خالی کبھی موسم نہیں آتا یہی شریعت غرا کی تعلیم ہے، اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی تاکید فرمائی ہے، صحابہ نے ہمیشہ یہی برتا، آپ غور فرمائیں کہ اگر دو بھائیوں کے درمیان اختلاف ہوجائے تو تین دن قطع تعلق کی اجازت دی مگر ساتھ ہی فرمایا ان میں سے بہتر وہ ہے جو سب سے پہلے سلام کرے (بخاری ۵۷۲۷، مسلم ۲۵۶۰) درخت یا دیوار حائل ہوجائے تب بھی سلام کرو، کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا ہو، تو سب سے پہلے اجازت طلب کرو، اوراس کا طریقہ یہ ہوگا کہ سلام پہلے کرلو جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ (النور:۲۷) نماز ختم ہو تو سلام پھیرے، اللہ اکبر۔

الغرض حالات جیسے بھی ہوں، اسلام میں امن کی اپنی ایک عظیم حقیقت ہے اور اس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ آیئے نبی اکرم ﷺ کی حیات سے چند خوشے چن کر ان سے اس عنوان کو مزید مبرہن کرنے کی کوشش کی جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے جنگیں بھی کی ہیں اور صلحات بھی، حضور نے جو جنگیں کیں ان کا مقصد کیا تھا اور وہ کن اصولوں کے تحت لڑی گئیں؟ اور آپ نے جو صلحیں کیں وہ کن مصلحتوں کے تحت کی گئیں اور حضور نے ان صلحوں کو کیسے نبھایا؟ اس حوالے سے مختصرا چند باتیں عرض کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

نبی کریم ﷺ نے جو دین پیش کیا، وہ صرف اخلاقیات اور عبادات پر ہی مشتمل نہیں، بلکہ یہ دین پوری زندگی کا انسانی ضابطہ حیات ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ دین زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے پیغمبر بھی آئے سب کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر محیط رہی ہیں۔

اس امر کو انسان کی انتہائی بدقسمتی ہی کہنا چاہیے کہ آج انسانی سوسائٹی کے ایک بڑے حصے نے اسلامی تعلیمات سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے، اوراس سے دور سے دور تر ہوتے چلے جارہے ہیں، اس کے اسباب کچھ بھی ہوں ان پر بحث ہوسکتی ہے لیکن یہ بدبختی کی بات ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ایک بڑا حصہ اپنی عملی زندگی میں اسلامی اور دینی تعلیمات سے لاتعلق ہوکر رہ گیا ہے جو ہمارے لئے باعث افتخار تھا کیوں کہ یہی دین ہمارے لئے باعث نجات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دین کے ذریعہ عزت بخشی ہے اگر ہم اس کے علاوہ کہیں اور عزت تلاش کریں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کردے گا۔ (البدایۃ والنہایہ ۲/۵۵ صحیح الترغیب برقم:۲۳۹۸)

یہ ایک مستقل موضوع بحث اور پریشان کن مسئلہ ہے کہ آج انسانوں کا ایک بڑا طبقہ عقیدتاً یہ بات کہتا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور دنیا بھر میں مسلمان جن اعتراضات اور تنقیدات کا نشانہ ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات سے لاتعلقی کے موقف کو قبول نہیں کررہا۔ یہ بات کہ عملی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات سے لاتعلقی اختیار کرلی جائے، مسلمان کسی طور قبول نہیں کرپارہے جبکہ دنیا کی باقی قومیں مجموعی طور پر یہ بات ہضم کرچکی ہیں۔ یہ مسئلہ الگ ہے کہ ان قوموں کے پاس آسمانی تعلیمات اصلی ہیں یا تحریف شدہ ہیں، ان کے پاس آسمانی تعلیمات جس شکل میں بھی ہیں وہ انہیں تاریخی یادگار، تبرک اور آثار قدیمہ سے زیادہ کوئی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آج کی موجودہ بائبل دنیا بھر میں پڑھی جاتی ہے لیکن اس میں جو کچھ لکھا ہے اس پر کوئی بھی عمل کے لئے تیار نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ قرآن کریم سے پہلے کی آسمانی کتابوں کے صرف تراجم ہی موجود ہیں اور وہ بھی تحریف شدہ ہیں لیکن بنیادی تعلیمات ان میں آج بھی موجود ہیں۔

ایک انسان کی بحیثیت انسان کسی کے ساتھ دوستی ہوگی اور کسی کے ساتھ دشمنی ہوگی، یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ کسی کو اچھا سمجھتا ہے اور کسی کو برا سمجھتا ہے۔ چونکہ سوسائٹی انسانوں سے بنتی ہے اس لیے یہی نیچر سوسائٹی کی بھی ہے۔ جب مختلف قوموں کے فلسفہ وفکر سامنے آتے ہیں تو ان میں ٹکراؤ بھی پیدا ہوتا ہے، اس طرح اجتماعیات میں جنگوں کے مواقع بھی پیدا ہوتے ہیں اور صلح کے مواقع بھی قوموں کی آپس میں جنگیں بھی ہوتی ہیں اور مصالحتیں بھی، دشمنیاں بھی ہوتی ہیں اور دوستیاں بھی۔ یہ فرد کی فطرت بھی ہے اور سوسائٹی کی فطرت بھی ہے۔ اسلام نے صلح اور جنگ کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے بڑی تفصیل سے اصول وضوابط دیے ہیں، قرآن کریم اور سنت رسول میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں اور اس کا ایک پورا نظام

سامنے آتا ہے کہ کس سے جنگ کرنی ہے کب کرنی ہے کیوں کرنی ہے اور کیسے کرنی ہے یہی معاملہ صلح کے حوالے سے بھی ہے۔

اسلام کا تصور جنگ: یہ اعتراض تو انتہائی شدومد کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا ہے، طاقت کے زور پر لوگوں سے تسلیم کرایا گیا ہے کہ اسلام کی حقانیت تسلیم کرو اور یہ کہ اسلام میں دعوت وتبلیغ کا ذریعہ جنگ ہے، اسلام میں فتح وشکست کا دار ومدار شمشیر وتلوار ہے۔ یہ آج کی دنیا کا مسلمانوں پر اعتراض ہے کہ اسلام میں ہتھیار اٹھانا اس لئے ہے تا کہ اس سے لوگوں کو مسلمان کیا جائے۔ جبکہ اسلامی تاریخ کے جانکار، یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے، حقائق سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، اس لئے کہ امت مسلمہ کے مجاز حکام نے کبھی کسی قوم کو مسلمان کرنے کے لیے طاقت استعمال نہیں کی۔ خلافت راشدہ کا دور ہو یا خلافت بنوامیہ کا، خلافت بنوعباس کا زمانہ ہو یا خلافت بنوعثمان کا، کبھی کسی اسلامی حکومت نے یہ نہیں کہا کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ انفرادی طور پر اگرا کا دکا ایسے کچھ واقعات مل جائیں تو یہ اس کا الزام اسلام کی تعلیمات پر بالکل نہیں منڈھا جاسکتا۔ لیکن بحیثیت امت اور بحیثیت خلافت ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ مجاز اتھارٹیز جو تیرہ سو سال سے چلی آرہی تھیں جن میں سخت حکومتیں بھی تھیں اور ڈھیلی بھی، خلافت کا نظام مسلمانوں میں جیسا کیسا بھی رہا لیکن ہر دور میں یہ گارنٹی دی گئی کہ کسی قوم پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور اس پر مثالیں موجود ہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنے طور پر جبر کرنا چاہا لیکن خلفاء نے اور مجاز حکام نے انہیں روک دیا کہ بھئی ایسا نہیں ہوگا۔

بنوتغلب عیسائیوں کا عرب قبیلہ تھا اور اسلامی حکومت کے زیر اثر تھا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا۔ بنوامیہ کے دور میں وہاں کے مقامی مسلمان حاکم نے قبیلے والوں سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ میں تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔ اس پر قبیلے والوں نے خلیفہ وقت سے شکایت کی تو ان کی شکایت پر اس مقامی حاکم کو معزول کر دیا گیا کہ تمہارا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں ہے، یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ یہ بات تو قطعی طور پر خلاف واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور پر کسی کو مسلمان کیا ہو۔ البتہ یہ بات تاریخ کا حصہ ہے کہ مسلمانوں کو تلوار کے زور پر عیسائی بنایا گیا ہے، جب اسپین پر عیسائیوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو انہوں نے اجتماعی طور پر مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا لیکن مسلمانوں نے کسی قوم کو جبرا مسلمان کیا ہو اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ آج یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے طاقت کے ذریعے لوگوں کو مسلمان کیا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی جو نبی کریم ﷺ نے صبر آزما حالات میں گزاری، اس دور میں جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں کس طاقت نے مسلمان کیا؟ بڑے بڑے مسلمان تو اسی دور میں ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کس طاقت نے مسلمان کیا تلوار تو ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ نبی کریم ﷺ کے قتل کے ارادے سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے جبکہ حضور نہتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری بنوغفار سے جب مکہ آئے تو یہ جناب رسول اللہ کا شعب ابی طالب میں محصور ہونے کا دور تھا۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھے اس زمانے میں ہی بت پرستی سے نفرت تھی میں اللہ کو مانتا تھا اور اپنے ذوق سے اس کی عبادت کیا کرتا تھا۔ مجھے اپنے قبیلے میں پتہ چلا کہ مکہ میں کوئی صاحب ہیں جو مجھ جیسی باتیں کرتے ہیں، میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ جا کر پتہ کر کے آؤ۔ بھائی گیا اور جا کر سرسری معلومات لے کر آیا لیکن مجھے اس سے تسلی نہ ہوئی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں خود جا کر پتہ کرتا ہوں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مکہ میں جب پہنچا تو وہاں سہما سہما سا ماحول تھا مجھے کسی سے یہ بات پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا کہ محمد کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں تا کہ میں ان سے مل سکوں۔ میں حرم میں آکر بیٹھ گیا۔ شام کو ایک صاحب آئے اور پوچھا کہ مسافر ہو؟ میں نے بتایا کہ ہاں مسافر ہوں۔ کہنے لگے کہ آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ میں ان کے ساتھ گیا اور کھانا کھا کر واپس آکر پھر حرم میں بیٹھ گیا۔ دوسرے دن وہی صاحب آئے تو میں پھر حرم میں تھا اور زم زم پی رہا تھا۔ ان صاحب نے پوچھا اے مسافر! تمہیں ابھی تک تمہاری منزل نہیں ملی۔ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے پھر مجھے ساتھ لے جا کر کھانا کھلایا۔ تیسرے دن پھر یہی ہوا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تین دن یہی ہوتا رہا کہ وہ صاحب مجھے کھانا کھلانے کے لئے لے جاتے اور میں کھانا کھا کر واپس آجاتا۔ نہ مجھ میں ان صاحب سے پوچھنے کا حوصلہ ہوا اور نہ ہی وہ صاحب مجھ سے میرا مقصد پوچھ رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے دل سخت کر کے پوچھ ہی لیا کہ بھئی میں یہاں اس مقصد سے آیا ہوں کہ ان صاحب سے ملنا چاہتا ہوں جو توحید کی بات کرتے ہیں اور بتوں کی مخالفت کرتے ہیں، اگر تم میرے ساتھ جھگڑا نہ کرو تو میں تم سے یہ بات پوچھ لوں؟ یہ میزبان حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ تم صحیح آدمی سے ملے ہو کسی اور سے یہ بات کہتے تو نہ جانے کیا معاملہ ہوتا۔ رات آرام کرو میں تمہیں صبح ملاقات کے لئے لے جاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھے جو انہوں نے ایک خفیہ ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور آپ کی دعوت کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے انہیں اپنی دعوت کے متعلق بتایا کہ میں توحید کی بات کرتا ہوں اور بت پرستی کی مخالفت کرتا ہوں اور یوں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ہدایت دی کہ سیدھے اپنے قبیلے چلے جاؤ اور یہاں کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا، اپنے قبیلے میں جا کر کام کرو۔ جب تمہیں یہ خبر

ملے کہ میں نے مکہ چھوڑ کر کہیں اور اپنا ٹھکانہ بنالیا ہے تو تم میرے پاس آجانا۔ جبکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تو یہاں اعلان کر کے جاؤں گا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں چنانچہ وہ بیت اللہ کے قریب گئے جہاں سب قریشی اکٹھے تھے وہاں کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ میں ابوذر ہوں بنوغفار سے آیا ہوں اور میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ (اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله)

فرماتے ہیں کہ لوگ آگئے، کسی کے ہاتھ میں جوتا ہے، کسی کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے کوئی مکہ مار رہا ہے، کوئی تھپڑ مار رہا ہے حتی کہ میں زمین پر گر گیا اور لوگ مجھ پر پل پڑے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ منظر دیکھ رہے تھے انہوں نے آکر مجھے درمیان سے نکالا اور لوگوں کو مار پیٹ سے روکا اور کہا کہ لوگو! کیا کر رہے ہو، یہ بنوغفار کا آدمی ہے، شام کی طرف تمہاری تجارت کے قافلے جاتے ہیں تو ان کا قبیلہ راستے میں ہے، تم لوگوں نے اسے ماردیا تو تمہاری تجارت کا راستہ بند ہوجائے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کی جان چھڑوائی۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ میں رات وہیں رہا اگلے دن جب چاشت کا وقت آیا اور بہت سے لوگ اکٹھے ہوگئے تو میں نے پھر کھڑے ہوکر اعلان کردیا، اشهد ان الا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو کس طاقت نے مسلمان کیا۔ طاقت والے لوگ تو دوسری طرف تھے۔ یہ دین کی، ایمان کی، اخلاق کی اور کردار کی قوت تھی جس نے اس جماعت کی بنیاد بنائی۔ اسلام کی پہلی جماعت تو مار کھا کر، بھوک برداشت کر کے، طعن وتشنیع کا سامنا کر کے اور ظلم وستم سہہ کر تیار ہوئی تھی۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مہربانی کا معاملہ فرمائیں ہماری حالت تو بہت خراب ہے۔ وہ غلام تھے انہوں نے بتایا کہ میرا مالک کوئلے جلاتا ہے اور مجھے کوئلوں پر سیدھا لٹا کر اوپر میرے سینے پر بیٹھ جاتا ہے۔ چربی پگھلتی ہے خون نکلتا ہے جس سے کوئلے بجھتے ہیں۔ یارسول اللہ کب تک یہ معاملہ رہے گا؟ آپ نے فرمایا صبر کرو۔ خباب رضی اللہ عنہ نے کمر سے چادر اٹھائی اور کہا کہ یا رسول اللہ! میری کمر کی حالت دیکھیں۔ پیپ رستی ہے گڑھے پڑے ہوئے ہیں ہڈیاں سامنے نظر آرہی ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا: حوصلہ کرو صبر کرو، فرمایا کہ تم سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں پر ایسا وقت بھی آیا کہ ایک انسان کے سر پر آری رکھ کر پاؤں تک دو ٹکڑے کردیا گیا۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ لوہے کی کنگھیاں بنا کر جسم سے گوشت کی آخری بوٹی تک نوچ لی گئی۔

میں نے یہ عرض کیا کہ جنگ اور جہاد لوگوں کو مسلمان کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ اسلام کی راہ سے رکاوٹ دور کرنے کے لیے تھا چنانچہ اسی بنا پر اسلامی تاریخ میں جہاد ہوا ہے۔ اسلام کی دعوت تو جناب رسول اللہ نے مظلومیت کی حالت میں دی اور ظلم کے اس دور میں جانثاروں کی ایک جماعت تیار کی اور یہ اسلام کی تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں پر جتنے زیادہ ظلم ڈھائے گئے ہیں اسلام کی دعوت اتنی زیادہ دنیا میں پھیلی ہے۔ آج بھی دیکھ لیں کہ جتنا مسلمانوں کی مظلومیت میں اضافہ ہوا ہے اتنا زیادہ اسلام کی تعلیمات سے لوگ روشناس ہوئے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی جنگیں تو سراسر دفاعی جنگیں تھیں، اور بعد کی جنگیں بھی بظاہر اقدامی نظر آتی ہیں لیکن وہ دفاعی ہی تھیں کہ جن قوتوں سے مسلمانوں نے خطرہ محسوس کیا اور جن طاقتوں نے مسلمانوں کے خلاف عزائم کا اظہار کیا ان کے خلاف مسلمانوں نے بروقت اقدامات کیے۔ جناب نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت بھی آپ کے ترکے میں ہتھیار نہیں تھے، تلواریں اور زرہیں تھیں۔ لیکن حضور کی اور بعد میں آنے والوں کی جنگیں لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں اور دعوت اسلام کو تحفظ دینے کے لیے تھیں۔

اسلام کا تصور صلح: نبی کریم ﷺ نے بوقت ضرورت صلح بھی کی اور صلح کے معاہدوں کی پاسداری بھی کی۔ جب قریش مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ ہوئی کہ دس سال جنگ نہیں کریں گے، یہ صلح بظاہر بہت کمزور شرطوں پر تھی، اس معاہدے کے وقت آپ اپنی جماعت کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ کے باہر موجود تھے لیکن کفار مکہ نے یہ شرط بھی رکھ دی کہ مسلمان اس سال عمرہ نہیں ادا کرسکیں گے اس کے لیے انہیں اگلے سال کا انتظار کرنا ہوگا۔ ایک شرط انہوں نے یہ بھی رکھی کہ معاہدے کے دس سالوں کے دوران مسلمانوں کا کوئی ساتھی انہیں چھوڑ کر مکہ مکرمہ گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کفار مکہ کا کوئی ساتھی انہیں چھوڑ کر مسلمانوں کے پاس گیا تو وہ اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ یارسول اللہ! کن شرطوں پر صلح کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نبی ہوں اور اللہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہوں اور ایک وقت آئے گا کہ یہی صلح فتح میں تبدیل ہوگی اور یقیناً یہ صلح فتح مبین ثابت ہوئی جسے اللہ نے سورہ الفتح میں فتح مبین قرار دیا ہے۔ قدرے تفصیل ذکر کردوں تا کہ مطلع مزید صاف ہوجائے اور مدعا اظہر من الشمس، تو ذرا جگر تھام کر پڑھ لیجئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے بلایا تا کہ وہ صلح کے الفاظ لکھیں، عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط یا کسی تحریر سے قبل ''باسمك اللهم'' لکھا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اسلامی طریقے کے مطابق ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے کا حکم دیا، جو اولیٰ اور بہتر ہے، سہیل نے قدیم دستور کے مطابق ''باسمك اللهم'' ہی لکھنے پر اصرار کیا، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، یہی لکھو اور پھر فرمایا کہ یہ لکھو ''هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله'' (یہ وہ عہدنامہ ہے جس پر محمد، اللہ کے رسول نے صلح کی ہے) سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو پیغمبر و رسول ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا؟ آپ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھائیں، حضور ﷺ نے فرمایا تم بھلے اقرار نہ کرو، مگر خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ الفاظ مٹا کر ان کی

خواہش کے مطابق صرف میرا نام لکھ دو۔ حضرت علی اپنے ہاتھ سے مٹانے پر تیار نہ ہوئے کہ جو حق ہے اور جس پر ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے، اسے کس طرح مٹایا جائے؟ خود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹایا اور اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھنے کا حکم دیا، پھر اس کے نیچے حسب ذیل شرائط لکھے گئے:

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام یا غلاف میں۔

(۴) قریش کا جو شخص مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو کر جائے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مدینہ سے مکہ آجائے وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۵) دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔

(۶) اس درمیان کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

(۷) قبائل کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں۔

ابھی صلح نامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے صاحبزادے حضرت ابوجندل پابہ زنجیر حاضر خدمت ہوئے اور کافروں کے پنجے سے بچانے کی درخواست کی، یہ اسلام لا چکے تھے، کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے صلح حدیبیہ کے وقت آنے میں کامیاب ہو گئے، سہیل نے کہا کہ یہ پہلا شخص ہے، شرائط صلح کے مطابق واپس ہونا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ ابھی تو صلح نامہ بھی مکمل نہیں ہوا اور دستخط بھی باقی ہے، اس لئے ان کو چھوڑ دیا جائے، آپ کے بار بار خواہش کے باوجود سہیل راضی نہیں ہوا، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کو ان کے حوالے کر دیا اور تسلی کے کلمات کہتے دعائیں دیں، ابوجندل کو کافروں نے اس طرح مارا تھا کہ ان کے جسم پر ضرب کے کئی نشانات آگئے تھے، انہوں نے عام مسلمانوں سے نشان دکھاتے ہوئے کہا: میں مظلوم ہوں اور ستایا جا رہا ہوں، کیا میں اسی طرح ہمیشہ کافروں کے قبضے میں تڑپتا رہوں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضبط نہ کر سکے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہوں، حضرت عمر نے پھر کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر نے کہا: حق پر رہتے ہوئے پھر یہ ذلت گوارہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول اور نبی برحق ہوں، خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اللہ میری مدد کرے گا، حضرت عمرؓ نے پھر کہا: کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ حضرت عمر وہاں سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہاں بھی یہی گفتگو کی، حضرت ابوبکر نے کہا: آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں جو کچھ کرتے ہیں اسی کے حکم سے کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، حدیث نمبر ۲۶۹۹، کتاب الشروط، حدیث نمبر ۲۷۳۱-۲۷۳۲)

بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مخلص تھے، ان کے اخلاص میں شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے، تاہم اس طرح سوال و جواب بظاہر خلاف ادب تھا، جس پر حضرت عمر فاروق کو بعد میں کافی شرمندگی ہوئی اور پوری زندگی اس کا رنج رہا، حضرت عمر فاروق جذبات سے مغلوب ہو گئے تھے، بے اختیار ان سے یہ جملے سرزد ہوئے لیکن ایمان واتباع اتنا کامل تھا کہ بعد میں جب ظاہری گستاخی کا احساس ہوا تو فوری اس پر ندامت ہوئی اور ہمیشہ باقی رہی، اسی کے ساتھ کفارہ کے طور پر انہوں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، خیرات کئے اور بہت سے غلام آزاد کئے۔

صلح کی شرائط پر غور کیا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بظاہر دب کر اور کفار مکہ سے مرعوب ہو کر صلح کیا تھا، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغموم اور شکستہ خاطر تھے، وہ سوچ رہے تھے کہ اسلام کے پندرہ سو سرفروش مجاہدین کے سامنے قریش اور ان کے حلیف قبائل کی کیا حیثیت ہے، آپ ایک اشارہ کریں تو خون آشام تلواریں کفار مکہ کے سروں کو تن سے جدا کر سکتی ہیں مگر یہ ذلت اور مغلوبیت کی صلح کیوں کی گئی، ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک نگاہیں اس صلح کے جن عواقب ونتائج کو دیکھ رہی تھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے ناواقف تھے، ان کی نظریں ظاہری سطح پر تھیں اس لئے ان کو یہ معاہدہ ناگوار گزرا، تاہم اللہ تعالیٰ نے اس صلح میں کافی فوائد اور ثمرات رکھے تھے اس لئے آپ کا سینہ مبارک، سخت اور ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا، آپ بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان آزادانہ طور پر دین کی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے لگے، اسلام کی صداقت اور اس کے حقائق پر لوگوں کو غور کرنے کا مواقع ملے، کفار مکہ سے مسلمانوں کے فاصلے کم ہوئے، صلح کی وجہ سے آمد ورفت شروع ہوئی اور تجارتی تعلقات کی بنیاد پر قریش مدینہ آتے اور مہینوں قیام کرتے، یہاں نفوس قدسیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ وطہارت ان کی نقل وحرکت، پاکیزہ اخلاق، اخلاص وللّٰہیت، صداقت وامانت خوف خدا دیکھتے اور متاثر ہوتے اور اس طرح اسلامی تعلیمات کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہوئی اور وہ خود بخود اسلام کے سایہ رحمت کی طرف کھنچتے چلے آتے، بلاشبہ اسلام میں وہ جاذبیت اور کشش ہے کہ اس میں غور کرنے والا کبھی اسلام سے دور نہیں رہ سکتا۔ صحابہ، محاسن وشمائل کی زندہ تصویر تھے، مگر اب تک عناد اور منافرت کے سبب کفار مکہ کو اس کا ادراک نہیں تھا، صلح کی وجہ سے راستے ہموار ہوئے اور پھر قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہوئے، مورخین نے لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام قبول کئے تھے کہ اتنے کبھی اس سے پہلے نہیں کئے تھے۔

یہ صلح حدیبیہ کے غیر معمولی فوائد واثرات تھے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش

وخروش کو دیکھ کر آپ ﷺ جذبات سے مغلوب ہوجاتے تو شاید اتنی جلد اسلام فروغ نہ پاتا اسی لئے قرآن کریم نے اس صلح کو ''فتح مبین'' قرار دیا، چنانچہ جب حدیبیہ سے آپ مدینہ واپس ہوئے تو راستے میں سورہ فتح "انا فتحنالك فتحا مبينا" ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی، نازل ہوئی۔ صحابہ کرام نے حیرت سے سوال کیا، کیا یہ فتح ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۲۷۳۸)

اس سے مسلمانوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ جذبات اور اشتعال سے کام نہ لیا جائے، غصہ اور اشتعال شیطانی اثر ہے، شیطان انسان کو مختلف تدابیر کے ذریعہ ابھارنا چاہتا ہے تاکہ وہ جذبات میں آکر کوئی ایسا کام کر بیٹھے جو اس کے لئے دوررس نقصانات کا باعث بنے، اس لئے شریعت نے ہمیشہ عفو و درگزر، صبر و تحمل اور سوچ و تدبر کی تعلیم دی ہے۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص بدلہ لینے پر قادر ہو اور اس کے باوجود اپنا غصہ دبائے اور قابو میں رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ وہ جنت کی آہو چشم حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے (سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۶۸۱)

کسی شخص کی کامیابی اور بلندی کا راز یہ ہے کہ انتہائی جذباتی مواقع پر انتہائی عقل و دانش سے فیصلہ کرے۔ انفرادی زندگی میں تحمل اور صبر و ضبط کی ضرورت تو ہے ہی لیکن اس کی اہمیت اجتماعی جگہوں میں مزید بڑھ جاتی ہے جہاں مختلف اذہان اور طبیعت کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے، اگر صبر و ضبط سے کام نہ لیا گیا تو آپس میں ٹکراؤ اور دشمنی ہوگی، جس کے نتیجے میں اجتماعیت ختم ہوجائے گی اور بکھرے ہوئے تاروں کی طرح انسان بے فیض ہوجائے گا۔

صلح حدیبیہ سے یہ مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے کہ انسان پر عملی اسوہ کا زیادہ اثر پڑتا ہے، الفاظ میں اگر تقویٰ و طہارت اور خوف خدا کی ترغیب دی جائے تو اتنا یہ موثر نہیں ہوگی جتنا عملی طور پر اس کو کر کے بتانے سے اثر پڑتا ہے آج مسلمان اپنا کردار، زبان، معاملات، تجارت کو صحیح کرلیں اور اسلامی تناظر میں زندگی کے شب و روز گزارنے لگیں تو تبلیغ کئے بغیر بھی لوگ اسلام سے قریب ہوں گے اور پوری دنیا میں دین کی اشاعت عام ہوجائے گی، اس لئے مسلمانوں کو اپنے کردار، خیالات، سیرت اور زندگی کو پاکیزہ بنانے کی طرف توجہ دینی چاہیے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے بعد قریش اور دیگر مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صالح زندگی کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہونا ان کے لئے آسان ہوگیا۔

رب کائنات سے دعا ہے کہ ہمیں اسلام کے پیغام امن سمجھنے، پھیلانے اور اسے دوست و دشمن تک عام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

☆☆☆

نعتِ نبی محمد مکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

میں ہوں مسرور بھیجوں درود و سلام
بر نبی مکرمؐ ہزاروں سلام

رب تو بھیجا کرے ہے نبیؐ پر سلام
اور ملائک بھی مشغولِ پیہم سلام

مومنو! تم بھی بھیجو درود و سلام
فرض پڑھنا ہے ان پر درود و سلام

رحمتِ دو جہاں سرورِ انبیاء
اس نبی مکرم پہ لاکھوں سلام

سن کے دشنامِ اعداء دعا جس نے دی
اس رحمۃ العالمیں پر درود و سلام

ظلم و دہشت کو جس نے دیا سب مٹا
پیکر عدل و رحمت پہ لاکھوں سلام

رحمۃ العالمیں، رہبر انس و جان
اس رسول ہدیٰ پر درود و سلام

جہل و ظلمت کی وادی منور ہوئی
پیشوا امنِ عالم پہ لاکھوں سلام

خوش و خرم ہے اصغرؔ، بہت شاد بھی
پڑھ کے افضل بشر پر درود و سلام

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

کرپشن کے خاتمہ میں اسلام کا کردار

محمد عبداللہ بن شمیم ندوی

عہد حاضر میں انسانیت کے لئے جو مسائل زیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں ان میں سب سے اہم بدعنوانی اور کرپشن کا مسئلہ ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے آج انسانی معاشرہ پریشان ہے۔ وہ اس دلدل سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے لیکن اس سے باہر نکلنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہورہی ہیں۔ معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کرنے والی اس مہلک بیماری کا کوئی علاج دنیا کے پاس نہیں ہے۔ آج شاید ہی کوئی انسان ہو جسے دانستہ یا نادانستہ رضا یا مجبوری سے بدعنوانی اور کرپشن میں ملوث نہ ہونا پڑتا ہو۔ خاص کر ہمارے ملک ہندوستان میں بدعنوانی کی شرح ۶۹ فیصد ہے جو ہمارے ملک کو دنیا کے بڑے بدعنوان ملکوں کی صف میں کھڑا کرتا ہے۔

ملک کی بد ترین صورتحال: اس وقت ملک کی صورت حال کس قدر خراب ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ آج ملک کی ۶۹ فیصد عوام اپنے جائز کاموں کے لئے بھی رشوت دینے پر مجبور ہیں۔ حکومت کا کام عوام کی فلاح و بہبود ہے لیکن ہمارے سرکاری محکموں کا حال یہ ہے کہ وہاں اپنا کام کرانے کے لئے ۵۲ فیصد لوگوں کو مجبوراً رشوت دینا پڑتی ہے۔ محکمہ قانون کی صورتحال اس سے بھی زیادہ خراب ہے یہاں کرپشن کی شرح ۶۲ فیصد ہے۔ اسی طرح ملک کے ۶۰ فیصد لوگ ٹریفک پولیس کو رشوت ادا کرتے ہیں، یہ رقم سال میں ۱۵۰۰ کروڑ روپے تک پہونچ جاتی ہے۔ محکمۂ تعلیم اور محکمۂ صحت میں ہونے والی بدعنوانیوں کا یہ حال ہے کہ یہاں ہر ہر قدم پر عوام کا استحصال کیا جاتا ہے اور بے چاری عوام کو چاروناچار اس میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ان دونوں محکموں میں ہونے والی بدعنوانی کی رقم سال میں سوا تین لاکھ کروڑ تک پہنچ جاتی ہے، جو ہمارے دفاعی اور رفاہی بجٹ سے بھی زیادہ ہے۔

اگر ملک کی سیاست کی بات کریں تو یہاں ۸۷ فیصد سیاسی قائدین بدعنوان ہیں جبکہ ۳۱ فیصد ممبر پارلیمنٹ ایسے ہیں جن پر کوئی نہ کوئی فرد جرم عائد ہے۔ بدعنوانی کا گھن ملک کو کس طرح چاٹ رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کی دولت کا بڑا حصہ کالے دھن کی شکل میں سوئیز بینکوں میں جمع ہے۔ جس کی مالیت ۲۵ لاکھ کروڑ روپیے بتائی جاتی ہے۔ یہ رقم اتنی زیادہ ہے کے وزیر اعظم نے اپنے انتخابی ایجنڈے میں اس رقم کی واپسی کو ہی اہم مدعا بنایا تھا اور کہا تھا کہ اگر یہ رقم واپس آجائے تو ہر ہندوستانی کے حصہ میں ۱۵ لاکھ روپے آئیں گے۔ ہمارے ملک میں جو رقم بدعنوانی کے نذر ہوتی ہے اس کا تخمینہ تین کھرب انیس ارب بہتر کروڑ پچاس لاکھ روپئے سالانہ لگایا گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ حکومت نے کرپشن کے سد باب کے لئے اقدامات نہیں کئے۔ حکومت برابر اس کے خاتمہ کے لئے کوششیں کررہی ہے اور اس کے سد باب کے لئے سخت ترین قوانین بھی بنائے گئے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود حال یہ ہے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ دراصل حکومتیں قوانین تو بنالیتی ہیں لیکن ان کے نفاذ کے سلسلے میں وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں، جس کی وجہ سے ظالموں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور کمزوروں کا استحصال ہوتا رہتا ہے۔ حکومت کی اسی غلطی کی وجہ سے یہ بیماری کنٹرول سے باہر ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کے ہمارے عوام بھی ماننے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ ہمارا ملک اس دلدل سے کبھی نہیں نکل پائے گا۔ غور کیجئے تو ان کا کہنا شاید درست بھی ہو، کیونکہ حکومتی سطح سے لیکر پرائیویٹ سطح تک اوپر سے نیچے تک پورا کا پورا نظام اس گندگی میں لت پت ہے، سب بے باک اور بے خوف ہوکر کمزوروں اور لاچاروں پر ظلم میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کررہے ہیں۔

بدعنوانی کے اسباب: بدعنوانی یا کرپشن کی بہت سی وجوہات ہیں اس موضوع پر مطالعے کے بعد اس کے پیدا ہونے کے جو بنیادی اسباب سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) اس بات پر یقین نہ ہونا کہ اللہ حاضر وناظر اور سمیع وبصیر (۲) اس بات پر یقین نہ ہونا کہ مرنے کے بعد ایک دائمی زندگی ہوگی۔ (۳) آخرت میں خدا کے حضور پیشی اور دنیاوی اعمال کے حساب وکتاب اور ان پر جزا وسزا سے بے خوفی (۴) مال کے بارے میں غلط تصور کہ یہ انسان کی ذاتی ملکیت ہے اور وہ اس کے معاملہ میں خود مختار ہے (۵) ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے پر ملنے والے اجرو ثواب اور بخل سے متعلق وعیدوں سے لاعلمی (۶) زیاد سے زیادہ مال جمع کرنے کی چاہت (۷) حلال وحرام سے عدم واقفیت (۸) حقوق العباد سے لاعلمی (۹) سود (۱۰) شراب وجوا، اور دیگر نشہ آور چیزیں (۱۱) فحاشی (۱۲) لالچ (۱۳) خودغرضی ومفاد پرستی۔ (۱۴) مسابقت الی الشر۔

کرپشن کا علاج: بدعنوانی کے پیدا ہونے کے جو اسباب اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کا حل اور علاج اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب اور تحریک کے پاس نہیں ہے۔ بدعنوانی دراصل حق تلفی کا دوسرا نام ہے، زندگی کے تمام شعبے اس سے متعلق ہیں اور کیونکہ اسلام میں بدعنوانی کا مفہوم بہت وسیع ہے، اسلام نے اسے صرف رشوت تک محدود نہیں کیا بلکہ حقوق العباد کے تمام شعبے اس میں شامل کئے ہیں۔ اس لئے اسلام اس کے سد باب میں ۱۰۰ فیصد کامیاب رہا ہے۔

اس بیماری کی دوا صرف اسلام کے پاس ہے: یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اس دنیا سے کرپشن کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس سے نکلنے کا کوئی ایسا راستہ نہیں دکھایا جائے جس پر چلنے کو ہر شخص تیار ہو جائے، اور ایسا کوئی پیغام سنایا جائے جو خود لوگوں کے دلوں کی آواز ہو۔

بلاشبہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانوں کو کسی راہ پر تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ ان کا ہاتھ تھام کر انھیں ہر تنگ و تاریک راہ سے گزار لے جاتا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں اسلام ایک مکمل راہنما کی حیثیت سے موجود نہ ہو۔ لیکن یہ دنیا کی محرومی ہے کہ وہ اسلام کے آغوش میں آکر اپنے مسائل کو حل کرنے کے بجائے انھیں در در لئے پھرتی ہے، جہاں اس کے مسائل سلجھنے کے بجائے مزید الجھتے چلے جاتے ہیں۔

جہاں تک بدعنوانی کے خاتمہ کا مسئلہ ہے تو اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس ناگ کا سر کچل کر ہر اس سوراخ کو بند کرتا ہے جہاں سے اس کے سر نکالنے کا اندیشہ ہو۔ وہ اس مہلک بیماری کا نہ صرف مکمل علاج کرتا ہے بلکہ اس کو پیدا کرنے والے جراثیموں کی بھی نسل کشی کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسلام کے پاس ایسا کونسا نظام ہے جو اس ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے؟

اسلام دلوں کی آواز ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی سب سی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں کی آواز اور انکی فطرت ہے۔ وہ ان کے دلوں میں اتر کر ان میں ایسے خدا کا یقین پیدا کرتا ہے جو سارے عالم کا تن تنہا بادشاہ ہے۔ اسلام یہ یقین دلاتا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے سب کچھ خدا نے پیدا کیا ہے۔ کائنات کی ہر شے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے، اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

ایک حاضر وناظر مالک کا یقین:

اسلام انسان کے دلوں میں اس بات کا یقین پیدا کرتا ہے کہ کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں، وہ انسانوں کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے، اسے سب کے دلوں کا حال معلوم ہے، اس نے اپنے فرشتوں کو انسان کے ہر عمل اور احساس کو ریکارڈ کرنے کا کام سونپ رکھا ہے، اور ایک دن ہم سب کو مرنا ہے اور اس کے حضور پیش ہونا ہے، اس دن وہ ہمارے تمام اعمال کا ریکارڈ ہمارے سامنے پیش کریگا۔ ہمارا ہر وہ عمل جو ہم نے دن کی روشنی میں اور رات کے اندھیرے میں برسرعام یا تنہائی میں کیا تھا، ہمارے سامنے اس کی ریکارڈنگ چلا دی جائے گی اور جنت و دوزخ کا فیصلہ انہی اچھے برے اعمال کی بدولت کیا جائے گا۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ”كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ☆ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ☆ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ☆ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ☆ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ☆ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ☆ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ“☆ (الانفطار: ۹تا۱۶) (ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن تم لوگ سزا و جزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر کچھ نگہبان (فرشتے) مقرر ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے ہیں (ہر ہر عمل کو نوٹ کرنے والے ہیں)۔ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔ یقین رکھو کہ (آخرت میں) نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہونگے۔ اور برے و بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہونگے۔ وہ اس (دوزخ) میں سزا و جزا کے دن داخل ہونگے۔ اور وہ اس سے غائب نہیں ہو سکیں گے)۔

دنیاوی اعمال پر حساب وکتاب کا یقین: اسلام یہ تصور دیتا ہے کہ اللہ نے دنیاوی زندگی کو صرف اچھے اور برے اعمال کی آزمائش کے لئے بنایا ہے۔ ارشاد فرمایا: ”الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ“ (الملک: ۲) (اللہ ہی ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے)۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ” لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتىٰ يسأل عن اربع: عن شبابه فيما أبلاه، وعن عمره فيما افناه، وعن ماله من أين جمعه وفيم أنفقه و عن علمه ماذا عمل فيه“ (رواه الترمذي)۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی اس وقت تک اپنے قدم نہیں ہلا سکے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں جواب نہ دے دے: جوانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس کو کہاں خرچ کیا، عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ کہاں گزاری، مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ وہ کیسے جمع کیا اور کہاں کہاں خرچ کیا، اور علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس پر کتنا عمل کیا۔

دنیا دارالامتحان ہے: اسلام یہ تصور دیتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی اخروی زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیش کی ہے، جبکہ دنیاوی زندگی فانی ہے۔ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے اور آخرت اس کی جزاء ہے۔ اس لئے اپنے دلوں میں دنیا کی محبت کو نہ بسایا جائے بلکہ تمام اعمال میں آخرت ہی مطمح نظر ہو۔ قرآن کہتا ہے: ”قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى وَلاَ تُظْلَمُونَ فَتِيلاً“ (النساء: ۷۷) (اے نبی کہہ دیجئے! دنیاوی نعمتیں تو چند روزہ ہیں، لیکن آخرت بہت بہتر ہے اس کے لئے جو تقوے والا ہو، اور (اللہ کے یہاں کسی پر) دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک دنیاوی نعمتیں ان نعمتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جن کو اللہ نے اخروی زندگی میں نیک عمل کرنے والوں کے لئے بنایا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے دل میں اخروی زندگی کا یقین، اس پر ایمان اور آخرت میں اپنے ہر عمل کی جوابدہی کا احساس پیدا ہو جائے، وہ کبھی بھی کسی کی حق تلفی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ بلکہ وہ تو حقوق العباد کی ادائیگی کو اپنا فرض منصبی جانے گا اور ان کی ادائیگی کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنائے گا۔

اسلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ آخرت میں حساب وکتاب کا تصور دے کر چھوڑ دیا ہو، بلکہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال اور جائز و ناجائز کاموں کو پوری وضاحت سے بیان کیا ہے تاکہ دنیاوی زندگی میں انسان جو بھی قدم اٹھائے وہ بہت

سوچ سمجھ کر اٹھائے۔ چنانچہ بدعنوانی کے جو جو پہلو انسانی زندگی میں ہو سکتے تھے اسلام نے بڑی وضاحت سے انھیں بیان کیا ہے تا کہ انسان ان سے خود بھی بچ سکے اور دوسروں کو بھی اس سے بچا سکے۔

مال کے بارے میں اسلام کا تصور

مال اللہ کی ملکیت ہے: بدعنوانی کی جڑ مال کی حرص اور لالچ ہے۔ چنانچہ اسلام نے مال کے بارے میں یہ تصور پیش کیا کہ مال کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ انسان کے پاس اللہ کی امانت ہے، انسان اپنے مال میں خود مختار نہیں بلکہ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ چنانچہ انسان کو مال اسی طریقے پر حاصل کرنا ہے جس طریقے پر اسے اللہ نے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں ان ہی جگھوں پر خرچ کرنا ہے جن جگھوں پر اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں اللہ کا فرمان ہے: "كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ" ہم نے جو تم کو پاک روزی عطا کی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ ایک جگہ فرمایا "وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ" (اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس میں سے ضرورت مندوں کو دو)۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے "المال مال الله". (مال تو سب کا سب اللہ کا ہی ہے)۔

بخل کی ممانعت: مال و دولت کی محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ قرآن نے بھی اسے جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ سورہ فجر آیت ۲۰ میں ارشاد ہے: "وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا"۔ (اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو)۔ سورہ "والعدیات" میں فرمایا: "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد ☆ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ☆ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ☆"۔ (بلاشبہ انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے، اور وہ اس بات پر خود ہی گواہ ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ مال کی محبت مین بڑی شدت سے مبتلا ہے۔

انسان کی اس فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام نے مال جمع کرنے کی قطعی ممانعت نہیں کی، بلکہ اس مال میں چند حقوق متعین کر دئے تا کہ انسانوں کے درمیان عدل و انصاف قائم ہو اور بدعنوانی اور کرپشن کو پنپنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس لئے اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ معاشرے کے سارے مال و دولت پر صرف چند افراد کا کنٹرول ہو جائے اور باقی لوگ غریبی اور لاچاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔ اسلئے اسلام مال پر قبضہ جما کر رکھنے والوں اور ضرورت مندوں پر خرچ نہ کرنے والوں کو سخت وعیدیں سناتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ☆ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْن". (التوبة: ۳۴).

(اور جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت) جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں اسے خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔ جس دن اس دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ مال جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے۔ اب چکھو اس (خزانہ) کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔

اسلام نے ایک ایسا نظام دیا ہے جس کے ذریعہ دولت کی تقسیم صحیح طور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام دولت مندوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کا بھی حق رکھیں جن کو اللہ نے مال نہیں دیا۔ اسلام اسے زکاۃ کا نام دیتا ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے۔

صدقہ و خیرات کا حکم: اسلام اس بات کا شوق بھی پیدا کرتا ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ کی زکاۃ پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ گاہے گاہے صدقہ و خیرات کیا جاتا رہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ اور ان کے مال میں سوال کرنے والے کا اور محروم کا حق ہے۔

ایک جگہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَلاَ تَيَمَّمُواْ الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنفِقُوْنَ وَلَسْتُم بِآخِذِيْهِ إِلاَّ أَن تُغْمِضُواْ فِيْهِ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (بقرہ: ۲۶۷) (اے ایمان والو! جو تم نے پاکیزہ مال کمایا ہے اس میں سے خرچ کرو، اور جو ہم نے زمین سے نکالا ہے وہ خرچ کرو۔ اور تم گندی اور خراب چیز خرچ کرنے کے بارے میں مت سوچو، حالانکہ تم خود اسے آنکھیں بند کئے لینا گوارا نہیں کروگے۔ اور یہ جان لو کہ (ہر چیز سے) اللہ بے نیاز ہے اور تعریف والا ہے)۔

صدقہ وخیرات کرنے والوں کے دلوں میں یہ خیال آسکتا تھا کہ اس طرح تو ہمارا مال کم ہو جائے گا۔ اسلام اس بات کی تردید کر کے یہ یقین دلاتا ہے کہ صدقہ و خیرات سے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ۲۶۱)۔ (جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس نے سات بالیاں اگائیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے، اور اللہ تعالی وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔

بھلا جو اپنے مال کو اللہ کی امانت سمجھے اور اس مال میں سے ضرورت مندوں اور محتاجوں کا حق ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہو وہ کسی کی حق تلفی (بدعنوانی) کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہے؟

حرص و لالچ کا علاج: انسان فطری طور پر لالچی واقع ہوا ہے۔ اور اسی

لالچ کے سبب وہ کرپشن میں مبتلا ہوتا ہے۔پھر وہ لوگوں کی حق تلفیاں کرتا ہے اور زمین میں فساد مچاتا ہے، چنانچہ اسلام انسان کے لالچ کا رخ دنیا کی فانی نعمتوں کے مقابلہ جنت کی ابدی اور تعریفوں سے بالاتر نعمتوں کی طرف موڑ دیتا ہے، جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں ان کا وہم وگمان گزرا۔ارشاد الٰہی ہے:"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى"(طه: ۱۳۱) اور دنیاوی زندگی کی اس بہار (چکاچوندھ) کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لئے دی ہے، تاکہ ان کو اس کے ذریعہ آزمائیں۔اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے دیرپا ہے۔

قرآن نے جگہ جگہ جنت میں ملنے والی نعمتوں کی تصویر کشی اس انداز سے کی کہ ان کی چاہت انسان کے دل میں گھر کر جاتی ہے ۔چنانچہ قرآن کہتا ہے:"مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاء غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاء حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءهُمْ". (سورہ محمد: ۱۵)

متقی لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو خراب ہونے والا نہیں، ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی، اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو نتھرا ہوا ہوگا۔اور ان جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے، اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت۔کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو دوزخ میں ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ انھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، چنانچہ وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے کر دے گا۔

ایک انسان جب اخروی نعمتوں پر یقین کرتا ہے اور ان کو پانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے تو دنیاوی مال ودولت کا لالچ خود بخود اس کے دل سے نکل جاتا ہے، دنیا اور اس کی نعمتیں اس کے سامنے بے حیثیت ہو جاتی ہیں اور وہ کسی بھی طرح کی بدعنوانی اور حق تلفی کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حقوق العباد کا تصور : اللہ کے نزدیک اس کے تمام بندے محترم ہیں اسی لئے ایک انسان کی جان اس کے نزدیک ساری انسانیت کی جانوں کی برابر ہے۔اللہ اپنے تمام بندوں پر رحم وکرم کا معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنے بندوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس کے بندوں پر مہربانی کا معاملہ کریں۔چنانچہ اللہ نے جہاں اپنے حقوق متعین کئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ وہاں بندوں کے حقوق بھی متعین کئے ہیں تاکہ اس کے تمام بندوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے۔

اسلام میں حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس کی ادائیگی کو اسلام میں فرض قرار دیا گیا ہے اور اس سے کوتاہی کرنے والے کو نہ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا بلکہ دنیا میں بھی اس پر سخت سزائیں سنائی گئی ہیں ۔کیونکہ اللہ کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ اس کے کسی بندے کے ساتھ ادنیٰ بھی زیادتی کی جائے ، اور اس کو کمزور جان کر ظلم کا نشانہ بنایا جائے، اس لئے قرآن میں جگہ جگہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ حقوق العباد میں کسی بھی قسم کی بدعنوانی سے بچیں۔چنانچہ قرآن مال کو ناجائز طریقوں سے کمانے کو حرام قرار دیتا ہے۔قرآن کریم کا ارشاد ہے۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً. (النساء ۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ہاں یہ اور بات ہے کہ تمہاری آپسی رضامندی سے کوئی سمجھوتا ہو گیا ہو۔اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔بلاشبہ اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔

حرام کمائی کی ممانعت : غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بندوں کے حقوق کی پامالی میں حرام کمائی کا بڑا ہاتھ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ نے حرام کمائی اور اس کی تمام شکلوں کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔اللہ کے یہاں حلال مال کی ہی مقبولیت ہے جبکہ حرام مال کھانا پیٹ کو آگ سے بھرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً"(النساء: ۱۰) اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ذریعے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں۔اور بہت جلد ہی وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

آج سب سے زیادہ کرپشن رشوت کی شکل میں پھیل رہا ہے۔رشوت ہی ہے جس کے ذریعے مستحقین کو ان کے حق سے محروم کر کے ان کا حق دوسروں کو دلوا دیا جاتا ہے۔رشوت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ارشاد باری ہے:"وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُون"(البقرہ: ۱۸۸). اور آپس میں تم ایک دوسرے کے مال کو ناجائز اور غلط طریقوں سے مت کھاؤ اور نہ انھیں حاکموں کے پاس لے جاؤ کہ (رشوت دے کر یا طاقت کے بل بوتے) لوگوں کا مال جانتے بوجھتے ہڑپ کر جاؤ۔نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:" الراشی والمرتشی کلا هما فی النار'. رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔ایسی سخت وعیدوں کے بعد بھی اگر کوئی مال حرام سے اپنے پیٹ کو بھرتا ہے، اور خدا کے بندوں کا استحصال کرتا ہے، تو ایسا شخص معاشرے کو تباہی میں ڈال رہا ہے۔اور اس طرح کے لوگوں کا علاج سخت ترین قوانین کے ذریعے کیا جانا چاہیے۔

ناپ تول میں کمی کی ممانعت : بازار تجارت ہو یا گھریلو باہمی معاملات، اسلام اس بات کی شدید مذمت کرتا ہے کہ جھوٹ اور دھوکے کے

ذریعہ لوگوں کا حق مارا جائے، اور ناپ تول میں کمی کر کے عوام کو ان کی چیزیں گھٹا کر دی جائیں۔ارشاد خداوندی ہے:"وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُواْ الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلاَ تَبْخَسُواْ النَّاسَ أَشْيَاءهُمْ وَلاَ تُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاَحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ"(الاعراف: ۸۴)۔

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔انھوں نے کہا: اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں آچکی ہیں۔چنانچہ تم لوگ ناپ تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں سے گھٹا کر مت دو۔اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد بگاڑ مت پیدا کرو۔یہ سب تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:"وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُواْ بِالقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً"(بنی اسرائیل: ۳۵)۔اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔یہی طریقہ درست ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔

سود کی حرمت و شناعت: معاشرے میں بدعنوانی کو بڑھاوا دینے میں سود کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔آج سود کی وجہ سے دنیا کا معاشی نظام تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے۔سود خوروں نے عام لوگوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر ان کا استحصال کر رکھا ہے۔آج دنیا کے بہت سے ممالک اسی سود کی وجہ سے دنیا کی باطل طاقتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔اسلام سود کو حرام و ناجائز قرار دیتا ہے اور سود خوری کی شدید مذمت کرتا ہے۔اسلام کہتا ہے کہ تجارت دونوں فریق کے درمیان نفع و نقصان میں شرکت کے ساتھ ہونا چاہئے۔صرف یک طرفہ فائدہ حاصل کرنا اور یک طرفہ نقصان اٹھانا بالکل درست نہیں۔ارشاد خداوندی ہے:"الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا"(البقرہ: ۲۷۵)۔جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لئے ہوگا کہ انھوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔دوسری جگہ فرمایا:"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"(آل عمران: ۱۳۰)۔اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔

سود کتنی بڑی لعنت ہے کہ اس کے تعلق سے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:"لعن رسول الله ﷺ على آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه، وقال: هم سواء"(مسلم ۱۵۹۸) نبی پاک ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سود کو لکھنے والے پر اور سود پر گواہ بننے والوں پر۔اور فرمایا کہ (گناہ کے سلسلے میں) یہ سب برابر ہیں۔

شراب اور جوے پر پابندی: لوگوں کو بدعنوان بنانے اور انسانی معاشرے میں بگاڑ اور فساد پیدا کرنے میں شراب اور جوئے کا بہت بڑا کردار ہے۔یومیہ ہزاروں گھر انھیں کی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں اور سالانہ لاکھوں لوگ نشہ خوری کے سبب ہلاک ہوجاتے ہیں۔انسانی زندگیوں کو تباہ کرنے والے اس ناسور کے تعلق سے اللہ کا فرمان ہے:"إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ".(المائدہ: ۹۰) اے ایمان والو! یقیناً شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کا تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔سو تم ان سے کوسوں دور رہو، تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔

بھلے ہی شراب اور جوئے سے لوگ کتنا ہی نفع کماتے ہوں لیکن ان سے ہونے والے نقصان کے سامنے ان کا نفع بہت معمولی ہے۔قرآن کا ارشاد ہے:"يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا". (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے، ہاں (بظاہر) لوگوں کا کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ (نقصان) ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے)۔

اسلام صرف شراب پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر نشہ آور چیز جو انسان کی عقل کو ماؤف کرتی ہو، اسلام میں حرام ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:"کل مسکر حرام"۔ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ایک جگہ فرمایا:"ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"، جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اسکی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے۔

آج دنیا اس فساد سے تنگ آچکی ہے اور جگہ جگہ نشہ بندی اور جوا بندی کی تحریکیں چلائی جارہی ہیں لیکن سب بے اثر اور بے سود ثابت ہو رہا ہے۔جبکہ اسلام نشہ پر سو فیصد کنٹرول کرتا ہے۔اس کی مثال ہمیں مدینہ کی گلیوں میں بہنے والی شراب میں نظر آتی ہے، شراب جن کے خون میں دوڑتی تھی اسلام نے ان کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا کر دی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے نشہ بندی پر صرف احکامات دیکر نہیں چھوڑا بلکہ اس پر سخت سزا بھی رکھی ہے۔چنانچہ اسلامی قانون میں شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے ہے، جو معاشرے کو اس خباثت سے پاک رکھنے میں نہایت معاون ہوتی ہے۔آج دنیا بھر میں منشیات کا بازار گرم ہے لیکن اس معاملے میں سب سے کم گراف ان ممالک کا ہے جہاں اسلامی قانون نافذ ہے۔اسلام نے دنیا کو نشہ بندی کا ایک ایسا فارمولا دیا ہے جس پر عمل کر کے دنیا نشہ کی بیماری سے پاک ہو سکتی ہے۔

فحاشی کا سد باب : آج معاشرے کا بڑا حصہ فحاشی میں ڈوبا ہوا ہے اور یہی فحاشی کرپشن کو بڑھانے میں معاون ہے۔جس کے باعث دنیا کی وہ مملکتیں جہاں فحاشی کوفروغ مل رہا ہے تنزلی کا شکار ہیں اوران کا زوال دن بدن بڑھتا ہی جارہا ہے۔

فحاشی کی تعریف کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:"الفحش ما عظم قبحه من الأفعال و الأعمال"(مفردات ،راغب ،ص: ۳۷۴)(ہر بری چیز کو فحش کہتے ہیں، چاہے اس کا تعلق فعل سے ہو یا عمل سے)۔

اسلام ہر طرح کی فحاشی پر مکمل پابندی لگا تا ہے اوراس میں ملوث لوگوں کو سخت ترین وعیدیں سنا تا ہے۔

ارشادخداوندی ہے:"قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ"(الأعراف: ۳۳). (اے نبی کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میرے رب نے کھلی اورچھپی تمام فواحشات (برائیوں) کوحرام قرار دیا ہے) ۔فحاشی میں سب سے برا فعل زنا ہے،اوراس کھلی بے حیائی اور جنسی چاہت کے طوفان نے تہذیب وتمدن کی جڑیں کھوکھلی کردی ہیں ۔اسلام انسانوں کواس کی شناعت سے آگاہ کرتا ہے اوراس سے کوسوں دوررہنے کا حکم دیتا ہے۔قرآن کا ارشاد ہے: " وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا"(الاسراء ؛ ۳۲) (اورزنا کے قریب بھی مت جاناوہ ایک گھناؤنا کام اور برا راستہ ہے) یہ ایک حقیقت ہے کہ جنسی شہوت انسان کی فطرت میں شامل ہے اسلئے اسلام نے انسانی مزاج کا پورا خیال رکھا ہے اوران کوحلال اور جائز طریقے سے اس خواہش کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نکاح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور تجرد کوقطعی پسندنہیں کرتا۔اس لئے اس نے نکاح کو بے حدآسان کردیا ہے، یہاں تک کہ بوقت ضرورت ایک سے زائد نکاح کی بھی اجازت دی ہے تاکہ زنا کی طرف جانے والا ہر راستہ بند ہوجائے ۔اسلام نے فحاشی کو روکنے کے لئے صرف احکامات پر اکتفانہیں کیا بلکہ اس کے سد باب کے لئے سخت ترین قوانین بھی بنائے ہیں۔چنانچہ اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کردیا جائے ۔اور کنوارے زانی کی سزا یہ ہے کہ اس کے ۱۰۰ کوڑے لگائے جائیں ۔اگرآج دنیاان سزاؤں کونافذ کردے تو دنیا سے فحاشی اوراس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا کرپشن دونوں کا ہی خاتمہ ہوجائے گا۔چنانچہ وہ ممالک جہاں اسلامی قانون نافذ ہے وہاں خواتین کے جنسی استحصال اورآبروریزی کے واقعات کا گراف صفر ہے۔

مسابقت الی الخیر : عوام میں بدعنوانی کوفروغ دینےوالی ایک چیز مسابقت الی الشر ہے۔یعنی نام ونمود اورانا کی غرض سے دنیاوی عیش وعشرت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنا۔جیسے رسومات میں بے دریغ اخراجات کے سلسلے میں مقابلہ آرائی، یا پھر دنیا کی نظر میں اپنے وقار کی بلندی کے لئے سامانِ عیش وعشرت میں ۱۲مقابلہ آرائی۔غرض کہ مسابقت الی الشر انسان کواس کی حیثیت سے بڑھ کراقدامات پر مجبور کرتی ہے،جس سے بڑے پیمانے پراس کو مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے،اوراسی نقصان کی تلافی کے لئے وہ لوگوں کی حق تلفی پرآمادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اسلام لوگوں کومسابقت الی الشر سے بازرہنے کی تلقین کرتا ہے اوراس کے متبادل میں مسابقت الی الخیر کو پیش کرتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:"وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا☆ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا☆"(بنی اسرائیل: ۲۶،۲۷) ۔ رشتہ داروں ،مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیا کرو،اورفضول خرچی مت کیا کرو۔ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں ۔اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

مبذر کہتے ہیں مال کوایسی جگہ خرچ کرنے والے کو جہاں اس کے خرچ کرنے کا حق نہیں تھا۔اسی لئے علماء نے مال کوصحیح جگہ خرچ کرنے والوں کومبذرین یعنی فضول خرچی کرنے والوں میں شمار نہیں کیا ہے۔کیونکہ مسابقت الی الشر میں فضول خرچی لازمی ہوتی ہے اسلئے اللہ نے ایسے لوگوں کوشیطان کا بھائی کہا ہے۔

قرآن میں جگہ جگہ مسابقت الی الخیر کی دعوت دی گئی ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:"وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ☆ أُوْلَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ☆(المؤمنون:۶۰،۶۱)۔ اور وہ لوگ (جن کا حال یہ ہے کہ) جو کچھ بھی (راہ خدا) میں دے سکتے ہیں دیتے ہیں،اور(اس کے باوجود)ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ انھیں اپنے رب کے حضور لوٹ کر جانا ہے۔یہی لوگ ہیں جواچھائیوں کے لئے دوڑنے والے ہیں اورآگے بڑھکر انھیں پانے والے ہیں۔

نبی ﷺ نے بھی امت کومسابقت الی الخیر کے لئے برابر ابھارا ہے۔اسلام کے اسی مزاج کا اثر تھا کہ صحابہ کرام اچھائیوں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس کے بے نظیر مثال ہے، جب نبی ﷺ کے اعلان کے بعد حضرت عمر اپنے گھر کا آدھا سامان صدقہ کردیتے ہیں اوران پر بازی لے جاتے ہوئے حضرت ابوبکر اپنے گھر کا سارا سامان صدقہ کردیتے ہیں۔یہ مسابقہ الی الخیر کا تصور ہی ہے جو مسابقت الی الشر کا خاتمہ کرتا ہے۔اور معاشرے کو بدعنوانی سے پاک کرتا ہے۔

اسلام کے یہی احکامات اوراصول وضوابط ہیں جن کواپنانے کے بعد کوئی بھی معاشرہ بدعنوانی سمیت تمام معاشرتی خرابیوں سے پاک وصاف ہوجائے گا،اورایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں صرف خدائی قانون کی حکمرانی ہوگی،عدل وانصاف کا بول بالا ہوگا اور ہر طرف امن وامان قائم ہوجائے گا۔

☆☆☆

شعبان فضائل واعمال اور رسومات

حافظ صلاح الدین یوسف

شعبان اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے، جو رجب کے بعد اور رمضان المبارک سے پہلے آتا ہے۔

وجہ تسمیہ : اس کا مادہ شعب ہے جس کے معنی جدا جدا ہونے کے ہیں۔ عرب اس مہینے میں پانی کی تلاش میں متفرق طور پر پھیل جاتے تھے، اس لیے اس مہینے کا نام شعبان پڑ گیا۔ سُمِّیَ بِذٰلِکَ لِتَشَعُّبِ الْعَرَبِ فِیْهِ أَیْ تَفَرُّقِهِمْ فِیْ طَلَبِ الْمِیَاهِ. (المنجد)

فضیلت ماہ شعبان: شعبان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ رمضان کے علاوہ تقریباً پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے۔ صرف آخر میں دو ایک روزے ترک فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد حدیثیں آتی ہیں جن میں صوم شعبان کی فضیلت اور نبی کریم ﷺ کے بالخصوص اس ماہ میں بکثرت روزے رکھنے کا بیان ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں چھوڑتے، پھر روزے چھوڑتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں رکھتے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی مہینے کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے رمضان المبارک کے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (صحیح البخاری، الصوم، باب صوم، باب صوم شعبان، حدیث ۱۹۶۹، وصحیح مسلم، الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، حدیث:۱۱۵۶)

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کَانَ أَحَبُّ الشُّهُوْرِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَّصُوْمَهُ شَعْبَانُ ثُمَّ یَصِلَهُ بِرَمَضَانَ.

"رسول اللہ ﷺ کو (نفلی) روزوں کے لیے سب سے محبوب مہینہ شعبان تھا، پھر آپ اسے گویا رمضان ہی سے ملا دیا کرتے تھے۔" (سنن ابی داؤد، الصیام، باب فی صوم شعبان، حدیث ۲۴۳۱)

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے: مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَصُوْمُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ.

"میں نے نبی کریم ﷺ کو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے"۔ (جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان، حدیث ۷۳۶)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ شَهْرٍ أَکْثَرَ صِیَامًا مِنْهُ فِیْ شَعْبَانَ، کَانَ یَصُوْمُهُ اِلَّا قَلِیْلًا، بَلْ کَانَ یَصُوْمُهُ کُلَّهُ.

"میں نے نبی کریم ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ آپ سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔" (جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان، حدیث ۷۳۶)

شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی حکمت:

حضرت اسامہؓ کہتے ہیں: میں نے ایک روز سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ماہ شعبان میں جس قدر (نفلی) روزے رکھتے ہیں، کسی اور مہینے میں اتنے روزے نہیں رکھتے؟ (یہ کیا بات ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

ذٰلِکَ شَهْرٌ یَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَیْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِیْهِ الْأَعْمَالُ اِلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَأُحِبُّ أَنْ یُّرْفَعَ عَمَلِیْ وَأَنَا صَائِمٌ.

"یہ مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں۔ اس مہینے میں (لوگوں کے) عمل رب العالمین کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے عمل جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو اس وقت میں روزے سے ہوں (اس لیے شعبان میں روزے کثرت سے رکھتا ہوں)"۔ (سنن النسائی، الصیام، باب صوم النبی ﷺ بأبی ہو وامی حدیث ۲۳۵۹)

اس حدیث سے شعبان میں نبی اکرم ﷺ کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اس مہینے میں بالخصوص اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ عملوں کی ایک پیشی تو روزانہ صبح وشام (نماز عصر اور نماز فجر کے وقت) ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی فرشتوں سے جو فجر وعصر کی نماز میں حاضر رہتے ہیں، جب آسمان پر جاتے ہیں تو پوچھتا ہے:

کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ. "تم میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں یا اللہ! جب ہم انھیں چھوڑ کر آرہے تھے، تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے، تب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔" (صحیح البخاری، مواقیت الصلوۃ، باب فضل صلاۃ العصر، حدیث ۵۵۵، وصحیح مسلم، المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر...، حدیث ۶۳۲)

دوسری پیشی ہفتے میں دو دن کی ہے، یعنی ہر پیر اور جمعرات کو اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ یَوْمَ الاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَأُحِبُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَأَنَا صَائِمٌ. (جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی صوم، حدیث ۷۴۷)

اور تیسری پیشی، جو گویا سالانہ پیشی ہے، ماہ شعبان میں ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ الصدر حدیث سے معلوم ہوا۔ اور جس کی وجہ ہی سے نبی اکرم ﷺ اس ماہ میں کثرت

سے روزے رکھتے تھے۔

کثرت سے روزے رکھنے میں احتیاط کی ضرورت:
گزشتہ تفصیل سے واضح ہے کہ شعبان میں نفلی روزے کثرت سے رکھنا نبی ﷺ کا معمول تھا، تاہم آپ نے اپنی امت کے لوگوں کو نصف شعبان کے بعد روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا. (سنن ابی داؤد، الصیام، باب فی کراهیة ذلك، حدیث ۲۳۳۷)

اس ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ طاقت، توانائی بحال رہے تاکہ رمضان کے فرض روزے رکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

اسی طرح آپ نے رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ استقبال رمضان کے نام پر لوگ جشن کی سی کیفیت نہ بنالیں، آپ نے فرمایا:

لَا تَقَدَّمُوْا صَوْمَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ اِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ صَوْمٌ يَصُوْمُهُ رَجُلٌ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الصَّوْمَ. ’’رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے مت رکھو، مگر جو شخص کسی دن کا روزہ رکھتا رہا ہو تو وہ رکھ لے‘‘۔ (سنن ابی داؤد، الصیام، باب فیمن یصل شعبان برمضان، حدیث ۲۳۳۵)

یعنی کسی کا معمول ہے کہ وہ ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتا ہے یا صوم داؤدی رکھتا ہے تو یہ روزے اگر رمضان سے دو تین دن قبل واقع ہوں، تو وہ یہ روزے رکھ سکتا ہے کیونکہ اس سے مقصود استقبال رمضان نہیں ہے بلکہ روزمرہ کے معمولات کو پورا کرنا ہے، اس لیے یہ ممانعت کے حکم میں نہیں آئیں گے۔

سرر شعبان کا روزہ اور اس کا مطلب: یہی مطلب اس حدیث کا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا: هَلْ صُمْتَ مِنْ سَرَرِ هٰذَا الشَّهْرِ شَيْئًا کیا تو نے اس (شعبان کے) مہینے کے آخری دنوں کے کچھ روزے رکھے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں تو آپ نے اس سے فرمایا: رمضان کے بعد تو اس کے بدلے میں ایک یا دو روزے رکھ لینا۔‘‘ (صحیح مسلم، الصیام، باب صوم سرر شعبان، حدیث ۱۱۶۱)

یہ شخص بھی مہینے کے آخر میں روزے رکھنے کا عادی تھا یا اس نے نذر کے روزے رکھنے تھے لیکن اس نے اس اندیشے کے پیش نظر نہیں رکھے کہ کہیں میرا یہ عمل استقبال رمضان کا مظہر نہ بن جائے جس سے روکا گیا ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو عادی نہ ہوں یا جن کی طاقت اور توانائی میں کمی آنے کا خطرہ ہو یا محض شک کی وجہ سے روزہ رکھتے ہوں مبادا رمضان شروع ہوگیا ہو۔ ایسے تمام لوگوں کے لیے شعبان کے آخر میں روزے رکھنے ممنوع ہیں تاکہ رمضان کے روزے رکھے جاسکیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ان روزوں کا جواز ہے۔

ملاحظہ: سرر کا لفظ مہینے کے آخری ایام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ استسرار (چھپ جانا) سے ہے۔ مہینے کے آخری دنوں میں چونکہ چاند چھپ جاتا ہے، اس لیے مہینے کے آخری دنوں کو سرر سے تعبیر کرلیا جاتا ہے۔

شب برات، یعنی شعبان کی پندرھویں رات: شعبان کی پندرہویں رات کی بابت متعدد روایات آتی ہیں، جن میں اس رات کی بعض فضیلتوں کا ذکر ہے لیکن یہ روایات، ایک آدھ روایت کے علاوہ، سب ضعیف ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کثرت طرق سے مروی ہیں، اس لئے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اس رات کی کچھ نہ کچھ اصل ہے، بنابریں اس رات کی کچھ نہ کچھ فضیلت ضرور ہے۔ اور دوسرے علماء کی رائے میں ضعیف روایات قابل عمل نہیں، چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی ہوں۔ ان علماء کے نزدیک اس رات کی کوئی خاص اصل نہیں۔

چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ اور شعیب ارناؤوطؒ وغیرہ نے کثرت طرق کی بنا پر اس ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ باقی سب روایات ضعیف یا موضوع ہیں، وہ ارشاد گرامی درج ذیل ہے:

يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ. ’’اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھتا ہے، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کر دیتا ہے۔‘‘ (صحیح ابن حبان، حدیث ۱۹۸۰، وشعب الایمان للبیہقی ۳/۲۸۸، والسلسلۃ الصحیحۃ حدیث ۱۱۴۴)

جبکہ ابوثعلبہ خشنیؓ کے طریق سے اسی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں: اِنَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيُمْلِيْ لِلْكَافِرِيْنَ وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ. ’’بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو اپنے بندوں پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے، پھر مومنوں کو معاف کر دیتا اور کافروں کو ڈھیل دے دیتا ہے۔ اور کینہ پرور لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کرلیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۱۰۸، ۱۰۹، حدیث ۲۱۵)

یہی وہ حدیث ہے جو شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت میں بقول شیخ البانی مسند ہے، اس کے علاوہ جتنی احادیث عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اور جنھیں اخبارات اور محفلوں کی زینت بنایا جاتا ہے وہ سب کی سب سنداً انتہائی کمزور بلکہ من گھڑت ہیں۔

اور صحیح الجامع الصغیر کی حدیث سے بھی صرف اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن اس میں بھی اس رات کو عبادت کرنے کی کوئی ترغیب یا فضیلت نہیں ہے اور کسی فضیلت سے اس رات کا خصوصی عبادت والی رات ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس کے لئے الگ نص کی ضرورت ہے جو موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں شیخ البانی کے علاوہ دوسرے محققین کے نزدیک یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

ضعیف اور موضوع روایات: شب برات کی نسبت سے جو کمزور اور من گھڑت حدیثیں عام طور پر بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شعبان شهري ورمضان شهر الله یہ روایت موضوع ہے۔ (حافظ سخاوی وغیرہ نے اسے مسند الفردوس کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے المقاصد الحسنۃ حدیث ۵۹۵، محدث البانی

نے اس کا حوالہ یوں (۲/۲۳۳،۲۳۴) ذکر کیا ہے۔ مگر تلاش کے بعد مسند الفردوس میں یہ روایت مل نہیں سکی۔ واللہ اعلم اس کی سند حسن بن یحیی الخشنی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ محدث البانی کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: السلسلة الضعیفة ۸/۲۲۲، حدیث ۳۷۴۶)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کو بستر پر موجود نہ پا کر میں باہر نکلی تو اچانک دیکھا کہ آپ بقیع قبرستان میں تھے، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا ''کیا تمہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے یہ شک ہوا تھا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالَی یَنزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا، فَیَغْفِرُ لأِکْثَرِ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ. ''بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا پر آتا ہے، پھر اتنے لوگوں کی مغفرت کرتا ہے جتنے بنوکلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ (جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، حدیث ۷۳۹، وسنن ابن ماجہ، الصلوات باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان حدیث ۱۳۸۹، ضعفہ الالبانی)

دیگر ائمہ کے علاوہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس روایت کی تضعیف امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا، وہ فرماتے تھے: یہ روایت ضعیف ہے۔ اس روایت کو حجاج بن ارطاۃ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا، حالانکہ حجاج کا یحییٰ سے سماع ثابت نہیں بلکہ زندگی میں ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ پھر یحییٰ اس روایت کو عروہ سے نقل کر رہے ہیں جبکہ یحیی کا سماع عروہ سے ثابت نہیں۔ اس طرح یہ روایت دو جگہ سے منقطع ہے۔ دو جگہ سے منقطع روایت محدثین کی اصطلاح میں شدید درجہ کی ضعیف روایت ہے۔ (مستزاد یہ کہ حجاج اور یحیی دونوں مدلس راوی ہیں۔ امام حاکم نے حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت کو یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسل روایت کی بنا پر منکر اور غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

یاد رہے کہ قصہ عائشہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بقیع میں جانے اور اہل بقیع کے لیے دعا کرنے کے متعلق ہے وہ صحیح ہے اور صحیح مسلم وغیرہ میں تفصیلا موجود ہے لیکن اس میں شعبان کی پندرہویں رات کا کوئی ذکر نہیں، مکمل واقعہ کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم، الجنائز باب مایقال عند دخول القبو روالدعاء لأھلہا، حدیث ۹۷۴۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا کَانَتْ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَیْلَتَھَا وَصُوْمُوْا یَوْمَھَا، فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی سَمَاءِ الدُّنْیَا، فَیَقُوْلُ أَلاَ مُسْتَغْفِرٌ فَاغْفِرَ لَهُ؟ أَلاَ مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ، أَلاَ مُبْتَلِیً فَأُعَافِیَهُ؟ أَلاَ سَائِلٌ فَأُعْطِیَهِ؟ أَلاَ کَذَا أَلاَ کَذَا؟ حَتَّی یَطْلُعَ الْفَجْرُ. ''جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو اس میں قیام کیا کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھا کرو کیونکہ اس رات کی شام سے ہی اللہ تعالی آسمان دنیا پر آ کر فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں؟ کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے عافیت دوں؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ کیا کوئی ....کیا کوئی..... یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔'' (سنن ابن ماجہ الصلوات، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، حدیث ۱۳۸۸، وضعیف الجامع الصغیر للألبانی، حدیث: ۶۵۲، واللفظ لہ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، دیکھیے السلسلة الضعیفة، ۵/۱۵۴، حدیث ۲۱۳۲)

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس کے بجائے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالَی کُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقَی ثُلُثُ اللَّیْلِ الآخِرِ، فَیَقُوْلُ: مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِیْبَ لَهُ؟ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ فَأُعْطِیَهُ؟ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاغْفِرْلَهُ وَفِیْ رِوَایَةِ لِمُسْلِمٍ فَلاَ یَزَالُ کَذٰلِکَ حَتَّی یُضِیْئَ الْفَجْرُ. ''ہمارا بابرکت اور بلند و بالا رب ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، پھر کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟ مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ پھر وہ بدستور اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔'' (صحیح البخاری، التہجد، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل، حدیث ۱۱۴۵، وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل حدیث: ۷۵۸)

اس صحیح حدیث کے مطابق یہ فضیلت ہر رات نصیب ہو سکتی ہے، لہٰذا اسے شعبان کی پندرہویں رات کے ساتھ خاص کرنا یقیناً غلط ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان کی پندرہویں رات کو دیکھا آپ کھڑے ہوئے اور چودہ رکعات نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس چودہ چودہ مرتبہ پڑھیں اور آیت الکرسی ایک مرتبہ پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے مذکورہ نماز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا:

مَنْ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِیْ رَأَیْتَ کَانَ لَهُ کَعِشْرِیْنَ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً وَکَصِیَامِ عِشْرِیْنَ سَنَةً مَقْبُوْلَةً، فَاِنْ أَصْبَحَ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ صَائِمًا کَانَ کَصِیَامِ سِتِّیْنَ سَنَةً مَاضِیَةً وَسَنَةً مُسْتَقْبِلَةً.

''جس نے ایسے کیا جیسے تو نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اسے بیس مقبول حجوں کا ثواب اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ہوگا اور اگر اس نے اس دن کا روزہ رکھا تو ساٹھ سالہ گزشتہ روزوں اور ایک سال آئندہ روزوں کا ثواب ہوگا۔'' (الموضوعات لابن الجوزی ۲/۵۲)

ابن جوزی نے اس حدیث کو ''الموضوعات'' میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بھی من گھڑت ہے اور اس کی سند نہایت تاریک ہے۔

امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے اوران کا کہنا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ موضوع (من گھڑت) ہو۔ (تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعۃ لابن عراق: ۹۴/۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے شعبان کی پندرہویں رات میں بارہ رکعات نماز ادا کی اور ہر رکعت میں تیس ۳۰ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی تو وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے اوراپنے اہل میں سے دس جہنمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔ (الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۵۱، ۵۲)

الصلاۃ الالفیۃ، یعنی وہ نماز جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس رات میں سو رکعات نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو اللہ تعالی اس کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے، اگر وہ لوح محفوظ میں بدبخت لکھا گیا ہو تو اللہ تعالی اسے مٹا کر اسے خوش نصیب لکھ دیتا ہے۔ اوراس کے آئندہ ایک سال کے گناہ نہیں لکھے جاتے (الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۵۰، ۵۱)

''الموضوعات'' میں ابن الجوزی اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

یہ اوراس قسم کی دیگر احادیث جن میں شعبان کی پندرہویں رات کی عبادت کی فضیلت بیان کی گئی ہے بالاتفاق ضعیف اور من گھڑت ہیں۔ ائمہ کرام، مثلا امام شوکانی، ابن الجوزی، ابن حبان، قرطبی اور سیوطی وغیرہم نے ان روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: الفوائد المجموعۃ، الموضوعات الکبری، تفسیر القرطبی، اللآلی المصنوعۃ وغیرہ

شب برات میں کیا کرنا چاہیے؟ اب سوال یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کے متعلق جس حدیث کو بعض محققین نے صحیح قرار دیا ہے کہ (اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (بنظر رحمت) دیکھتا ہے، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کر دیتا ہے)۔

آیا اس روایت کی روشنی میں ہمیں خوشی کا یا خصوصی عبادت کا اہتمام کرنا چاہیے؟ کیا اس میں کسی محفل کے جمانے کا ذکر ہے یا کسی خاص عبادت، چراغاں یا آتش بازی کا ذکر کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو خرافات اور من گھڑت روایات پر اعتماد کرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی صاف ستھری شریعت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس حدیث کا اگر بنظر انصاف مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی محفل جمانے، عبادت کرنے، چراغاں اور آتش بازی وغیرہ کا ذکر نہیں، بلکہ جس چیز کا ذکر کیا گیا یہ وہ ہے اللہ تعالی کی عام مغفرت کا جس کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو شرک اور کینہ پروری سے محفوظ ہے، لہذا اس رات کو عام بخشش کا مستحق بننے کے لئے ہر انسان کو چاہیے کہ اپنا عقیدہ شرک سے پاک کرے، اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متعلق اپنا دل صاف رکھے اور کسی سے حسد، بغض اور کینہ نہ رکھے، یہ چیزیں انسان کی نجات کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کی جو فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بیان کی کہ مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ ہر مسلمان کی بخشش ہوتی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچایا جاتا لیکن آج کا جاہل مسلمان الٹا اپنے آپ کو اس رات میں ان دونوں گناہوں میں ملوث کرتا ہے ایک طرف محافل کا انعقاد کر کے ان میں جھوٹی اور من گھڑت احادیث بیان کرنے کے علاوہ نعت خوان اور مقررین رسول اکرم ﷺ سے استغاثہ کرتے ہیں اور آپ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یعنی دوسرے لفظوں میں کھلم کھلا شرک کرتے ہیں اور اللہ سے مغفرت کی بھی امید رکھتے ہیں اور دوسری طرف آتش بازی کے ذریعے سے اپنے ہی بھائیوں کو پریشان کر کے انسان دشمنی کا بھی ثبوت دیا جاتا ہے جس سے اس حدیث کی رو سے بچنا نہایت ضروری ہے کیسی ستم ظریفی ہے کہ بخشش الہی سے محروم ہو جانے والے کام بھی کئے جائیں اور جہنم سے آزادی کے پروانے کی بھی امید رکھی جائے۔

شب براءت میں عبادت؟ یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس رات میں مغفرت کا ثبوت ملتا ہے تو پھر اس میں خصوصی عبادت میں کیا حرج ہے؟

اس کے دو جواب ہیں: اولا: اللہ تعالی کی خصوصی بخشش کا ثبوت صرف پندرہویں شعبان کی رات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہی خصوصی بخشش سوموار اور جمعرات کے دن بھی ہوتی ہے، جیسے پیچھے صحیح حدیث ذکر کی جا چکی ہے۔ بلکہ اللہ تعالی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اس لئے ہر رات ہی اللہ کی عبادت کا اہتمام کرنا چاہیے، نہ کہ خصوصی طور پر صرف شعبان کی پندرہویں رات کو جس کا کوئی ثبوت بھی نہیں۔

ثانیا: شعبان کی پندرہویں رات میں نبی ﷺ سے کوئی خصوصی عبادت ثابت نہیں ہے اور جو روایات نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں، وہ سب من گھڑت اور موضوع ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، لہذا اپنی طرف سے کسی دن یا رات یا کسی بھی وقت کو عبادت کے ساتھ خاص کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلاَ تَخُصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الأَيَّامِ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ.

''راتوں میں سے صرف جمعے کی رات کو قیام کے لیے اور دنوں میں سے صرف جمعے کے دن کو روزہ کے لیے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر جمعے کا دن ان دنوں میں آجائے جن میں تم میں سے کوئی روزہ رکھنے کا عادی ہو تو اس کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (صحیح مسلم، الصیام، باب کراہۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم حدیث ۱۱۴۴)

اگر کسی رات کو عبادت کے ساتھ خاص کیا جانا صحیح ہوتا تو جمعہ کی رات ہفتے کے دنوں میں سے افضل ترین تھی، لہذا اسے خاص کیا جاتا ہے لیکن نبی ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی ﷺ کی سیرت ہی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، آپ نے اگر کسی دن یا رات کو عبادت کے لیے خاص کیا ہے تو اس کا حکم بھی دیا ہے اور اہتمام بھی فرمایا ہے، جیسے صحیح احادیث میں رمضان کی راتوں اور لیلۃ القدر کے بارے میں ہے کہ آپ نے قیام کیا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو ترغیب بھی دلائی، لہذا

اگر شعبان کی پندرہویں رات میں محافل جمانے، عبادت کرنے اور دوسرے افعال کرنے کی کوئی فضیلت ہوتی تو آپ اپنی امت کو ضرور مطلع فرماتے اور خود بھی اہتمام فرماتے کیونکہ آپ کا تو منصب ہی یہی تھا، آپ امت سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے تھے، ورنہ آپ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ:۵:۶۷) کے مصداق ٹھہرتے، کہ آپ نے اپنی امت کو شریعت کے مکمل احکام نہیں پہنچائے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ ان بدعات وخرافات پر عمل کرتے ہیں نعوذ باللہ وہ نبی ﷺ کو گویا خائن ثابت کرتے ہیں، لہٰذا نبی ﷺ سے اس رات میں محافل اور عبادت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ صحابہ وتابعین ہی کا عمل ملتا ہے تو پھر اس رات کو خصوصی عبادت والی رات کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟

کیا شب براءت فیصلوں کی رات ہے؟ شب برات منانے والوں کا نظریہ ہے کہ یہ رات فیصلوں کی رات ہے۔ اور دلیل میں سورہ دخان کی درج ذیل آیات مبارکہ پیش کرتے ہیں:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ”یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔“ (الدخان ۴۴:۳،۴)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ”بابرکت رات“ کا ذکر آیا ہے جس میں قرآن مجید کو اتارا گیا اور جس میں سال بھر میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس ”بابرکت رات“ سے مراد شعبان کی پندرہویں رات ہے یا کوئی اور رات مراد ہے۔

اگر ہم اس آیت کی تفسیر اپنی رائے اور منشاء کے مطابق کرنے کے بجائے خود قرآن مجید ہی سے تلاش کریں تو اس سوال کا جواب ہمیں مل جاتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے نزول کے متعلق صراحت سے فرمایا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ”رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا“ (البقرہ ۲:۱۸۵)

اور جس رات میں نازل کیا گیا اس کی صراحت بھی فرمادی کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ”بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔“ (القدر: ۹۷:۱)

جو کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ایک رات ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کا مہینہ اور اس مہینے کی خاص رات جس میں نبی ﷺ پر قرآن کا نزول شروع ہوا یا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بیت العزت میں اتارا گیا، اس کی بھی صراحت فرمادی ہے، جسے دوسری جگہ لیلہ مبارکہ بھی کہا گیا ہے، لیلہ مبارکہ کی قرآنی تفسیر سے پتا چلتا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہی ہے جس میں قرآن اتارا گیا اور اسی میں سال بھر کے حادثات ووقائع کا فیصلہ بھی کیا جاتا ہے، جمہور مفسرین کا یہی موقف ہے۔ نص قرآنی کے مقابلے میں ضعیف روایات سے لیلہ مبارکہ کی تفسیر پندرہویں شعبان کی رات سے کرنا جائز نہیں بلکہ باطل ہے، لہٰذا شعبان کی پندرہویں رات کو فیصلوں کی رات قرار دینا یکسر غلط ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ ثابت نہیں: سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے ایک روایت آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا الحديث. ”شعبان کی پندرہویں رات کو قیام، یعنی عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو۔“ (سنن ابن ماجہ اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی لیلۃ النصف، حدیث ۱۳۸۸، محدث البانی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے: السلسلۃ الضعیفۃ للألبانی ۵/۱۵۴ حدیث ۲۱۳۲)

اس روایت کی بناپر بہت سے لوگ شعبان کی پندرہ تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایت پایہ اعتبار سے بالکل ساقط ہے، اس میں ایک راوی ابوبکر بن ابی بسرہ ہے جو متہم بالکذب ہے، وہ موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا، اس لیے یہ روایت قطعاً قابل حجت نہیں، لہٰذا پندرہ شعبان کا روزہ بھی ثابت نہیں۔

البتہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ ہر مہینے کے ایام بیض ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے رکھتے تھے۔ اس اس حدیث کی رو سے اگر کوئی شخص شعبان کے مہینے میں یہ تین روزے رکھ لے تو یہ سنت کے مطابق کام ہوگا، اس لیے روزہ رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ صرف ۱۵ شعبان کا ایک روزہ نہ رکھیں بلکہ تین روزے رکھیں، ۱۳، ۱۴، ۱۵ شعبان کا۔ اور ان روزوں کو بھی شعبان کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔

حلوے مانڈے، آتش بازی اور غلط عقیدے: شعبان کی پندرہویں رات کو اور بھی بعض کام ایسے کیے جاتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں، جیسے حلوے مانڈوں کا خصوصی اہتمام۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس روز مردوں کی روحیں آتی ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اگر دنیا سے جانے والے اللہ کے نافرمان ہیں تو وہ اللہ کے ہاں قیدی ہیں، وہ اللہ کی قید سے نکل کر آ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر وہ نیک تھے تو وہ اللہ کے ہاں مہمان ہیں اور اللہ نے ان کے لئے جنت میں بہترین نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ جنت کی اعلیٰ اور لذیذ ترین نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں کس طرح آئیں گے؟ یعنی کسی لحاظ سے بھی روحیں دنیا میں نہیں آسکتیں۔

اسی طرح اس رات کو چراغاں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور خوب آتش بازی کی جاتی ہے، حالانکہ یہ بھی مشرک قوموں کا شعار ہے۔ مجوسیوں آتش پرستوں میں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر آتش بازی اور چراغاں کرتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ ہندوؤں نے اپنایا اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی اس بے ہودہ رسم کو اختیار کرلیا۔

بہرحال اس رات آتش بازی اور حلوہ پوری وغیرہ پکا کر ایصال ثواب کرنا، یہ سب ایجاد بندہ چیزیں ہیں جن کا کوئی ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے متعلقین کو بھی سمجھانا چاہیے تاکہ ان کے ذہنوں میں سنت اور بدعت کا فرق واضح ہو، ایک شاعر نے سچ کہا ہے:

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

شعر میں روایات سے مراد آباء واجداد سے ورثے میں ملنے والی روایات یا وہ رسوم ورواج ہیں جن پر ایک روایتی طریقے سے عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان رسوم ورواج کی روایات نے حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور خرافات ہی کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔

اعاذنا الله منها آمین۔

☆☆☆

شادی کو آسان بنائیں!

اسعد اعظمی/بنارس

شادی بیاہ انسانی فطرت وانسانی ضرورت ہے، خالق کائنات نے اس زمین پر انسان ہی نہیں بلکہ تمام ذی روح کی دو صنفیں بنائیں، یعنی نر اور مادہ، اور دونوں کے اندر ایک دوسرے کی طرف میلان اور کشش رکھی۔ البتہ انسانی معاشرے کو بدنظمی اور بے حیائی سے محفوظ رکھنے کی خاطر مرد وزن کے ملاپ کے لیے نکاح کی شکل میں ایک ضابطہ بنایا، اور اس ضابطہ کو نہایت آسان بنایا تاکہ اس فطری تقاضے کی تکمیل ہر شخص بآسانی کرلے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "خَيْرُ النِّكَاحِ أَيْسَرُهُ" (سنن ابوداود، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے) یعنی سب سے بہتر نکاح وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک مجلس میں موجود ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس اس عورت کو مہر میں دینے کے لیے کچھ نہ تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا کہ جاؤ تلاش کرو، اگر لوہے کی انگوٹھی بھی مل جائے تو وہی لے آؤ، لیکن اسے یہ بھی میسر نہیں تھی، آپ نے اس سے پوچھا کہ قرآن کی کچھ سورتیں یاد ہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے ان ہی سورتوں کو مہر قرار دے کر اس عورت سے اس کا نکاح کردیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، مدینہ طیبہ میں جب انہوں نے شادی کی تو اللہ کے رسول ﷺ کو خبر تک نہ لگی۔ چنانچہ وہ اللہ کے رسول کی مجلس میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے کپڑے پر زرد نشان لگا ہے۔ استفسار کرنے پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے شادی کی ہے اور یہ نشان اسی موقع پر لگائی جانے والی خوشبو کا ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں دعا دی اور ولیمہ کرنے کے لیے کہا۔ (بخاری ومسلم)

غور کرنے کا مقام ہے کہ صحابہ کرام جو اللہ کے رسول ﷺ سے کس قدر محبت کرتے تھے اور آپ کی خدمت کا کیا جذبہ رکھتے تھے، لیکن شادی کرلی اور اللہ کے رسول کو خبر تک نہ لگی، اللہ کے رسول کو بھی معلوم ہوا تو آپ نے کوئی شکایت نہیں کی اور نہ ہی کسی طرح کی ناگواری کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شادی کرلی، اللہ کے رسول کو خبر نہ لگی بلکہ بعد میں کسی موقع پر ان سے آپ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں میں نے شادی کرلی ہے۔ (بخاری ومسلم) یہ سب واقعات بتلا رہے ہیں کہ عہد نبوی میں شادی بیاہ کی تقریبات کتنی سادگی، بے تکلفی اور آسان طریقے پر انجام پاتی تھیں۔ اس کے برعکس آج شادی کو اس قدر رسم ورواج اور تکلفات وخرافات کے بندھنوں میں جکڑ دیا گیا ہے اور اسے اس قدر مشکل بنادیا گیا ہے کہ عام آدمی جس کے پاس کئی اولاد ہوں ان کی شادی کے مسئلہ کو لے کر فکرمند رہتا ہے۔ دنیا جہان کی رسم ورواج اور تام جھام پر آنے والے اخراجات کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ پریشان رہتا ہے کہ یہ طول طویل انتظام وہ کیسے کرسکے گا۔

اس معاملے کا سب سے تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اسی انتظام وانصرام میں سالہا سال لگ جاتے ہیں، اور لڑکے اور لڑکیوں کی عمر میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ بے پردہ حسن کی فریب کاریاں، موبائل اور انٹرنیٹ پر دستیاب ہیجان انگیز مواد اور فحاشی وبے حیائی والے ماحول میں ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے بہکنے اور معصیت میں مبتلا ہونے کے لیے ہر طرف دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ شرعی نکاح کو مشکل بنادیا گیا ہے اور حرام کاری کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں، ایسے میں جوان نسل کب تک اپنے آپ کو سنبھال سکے گی۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اللہ کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے تو نوجوانوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ:

"يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ" (بخاری ومسلم) اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے بھی نکاح کرنے کی مالی طاقت ہو وہ شادی کرلے، کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا عمل ہے۔ اور جسے مالی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کیوں کہ روزہ اس کی خواہش نفسانی کو توڑ دے گا۔

آج شادی اور اس سے متعلقہ تقریبات اور رسم ورواج کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہر سنجیدہ شخص کے لیے فکرمندی کا باعث بنا ہے۔ منگنی کی رسم، جہیز، بارات، پگڑی بندھائی، رت جگا، منھ دکھائی، مہنگے دعوت نامے، مہنگے شادی ہال یا ہوٹل، ان کا ڈیکوریشن، لائٹنگ، نوع بنوع کھانے اور ڈشیں، ویڈیوگرافی اور ان جیسی درجنوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے آدمی پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ مالی حیثیت سے کمزور ہونے کے باوجود ان غیر ضروری کاموں کو انجام دینا ضروری سمجھتا ہے تاکہ لوگ اسے کسی سے کم نہ سمجھیں، سماج میں اس کی ناک اونچی رہے۔ اس کے لیے بسا اوقات اپنی جائداد فروخت کردیتا ہے یا اسے گروی رکھ دیتا ہے۔ کتنے لوگ اس کے لیے بینکوں سے سودی قرض لیتے ہیں، لیکن اخراجات میں اور رسم ورواج کی تکمیل میں کسی طرح کی کمی لانے کے بارے میں نہیں سوچتے۔

اسراف اور فضول خرچی بہت بڑی لعنت ہے جو معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ ڈالتی ہے۔اسی لیے اسلامی شریعت نے اس سلسلے میں بہت سخت موقف اختیار کر رکھا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً - سورہ اسراء:۲۶-۲۷﴾

فضول خرچی مت کرو، اس لیے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہے:﴿وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ - سورہ اعراف:۳۱﴾ کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بلاشبہ وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيْلَةٍ" (صحیح بخاری)

کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ خیرات کرو، لیکن نہ تو اسراف ہو اور نہ تکبر کا اظہار۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:"كُلْ مَا شِئْتَ، وَالْبَسْ مَا شِئْتَ، مَا أَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ: سَرَفٌ أَوْ مَخِيْلَةٌ" (صحیح بخاری) جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، جب تک دو چیزوں کا ارتکاب نہ ہو، فضول خرچی یا تکبر۔

یہ بھی یاد رہے کہ قیامت کے دن جن سوالوں کا جواب دیے بغیر بندہ کو چھٹکارا نہیں، ان میں سے ایک سوال یہ بھی ہوگا:

"وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ" (سنن ترمذی-صحیح) مال کہاں سے کمایا اور کن چیزوں میں اسے خرچ کیا۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جس معاشرے میں لاتعداد افراد ایسے ہوں جنہیں دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہوتی، ان کو اور ان کے بال بچوں کو تن ڈھانکنے کے لیے لباس مہیا نہیں، غربت کی وجہ سے تعلیمی فیس اور دیگر اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اس لیے بچوں کو تعلیم نہیں دلاتے، علاج کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں، کتنے یتیم، بیوہ اور بے سہارا ہیں جنہیں سر چھپانے کے لیے جھونپڑی تک میسر نہیں، کتنے سماجی، تعلیمی اور رفاہی ادارے ہیں جو سرمایہ کی فراہمی نہ ہونے کی وجہ سے بند ہونے کے قریب ہیں۔ایسے حالات میں ایک ایک شادی پر پانی کی طرح پیسہ بہایا جائے اور محض نام و نمود، مصنوعی شان و شوکت، مقابلہ بازی اور ذاتی انا کی تسکین کے لیے لاکھوں روپئے صرف کر دیے جائیں، کیا شرعی، عقلی یا سماجی کسی بھی اعتبار سے اسے درست کہا جا سکتا ہے؟ ہمارا یہ عمل اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت دے گا یا اس کی رحمت کو؟ شادی کے موقع پر رشتہ داروں اور عزیزوں کو منانے اور راضی کرنے میں ہم لگے رہیں لیکن اپنے اعمال سے اللہ کو ناراض کریں یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟

شادی میں تاخیر کا ایک اہم سبب اپنے معیار کا لڑکا یا لڑکی کی تلاش بھی ہے، جس میں سالہا سال کا وقت نکل جاتا ہے۔اس میں اولاد کی جوانی بھلے ڈھلتی رہے اور عمر میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہے لیکن اپنے مطلوبہ معیار سے ایک انچ ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جب کہ شریعت کا اس سلسلے میں ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے دین داری، چنانچہ حدیث نبوی میں بڑی صراحت سے فرمایا گیا ہے:

"تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ" (بخاری، مسلم) عورت سے چار وجوہ کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے: مال، خاندانی حسب ونسب، حسن و جمال اور دین داری، پس تو دین دار عورت (سے نکاح کرنے میں کامیابی) حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

لڑکے کے انتخاب اور اس کے معیار کے بارے میں فرمایا گیا:"إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ" (سنن ترمذی-حسن صحیح) جب کوئی ایسا شخص تمہاری بچی سے نکاح کا پیغام دے جس کی دین داری اور اخلاق و کردار سے تم مطمئن ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

<u>علاج کیا ہے؟</u> اس سماجی بیماری کا علاج بے حد ضروری ہے۔بصورت دیگر یہ خطرناک شکل اختیار کر لے گی۔اس تعلق سے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی کوشش ضروری ہے۔

انفرادی کوشش میں سب سے پہلی بات یہ کہ ہر شخص جس کے یہاں شادی کی تقریب ہونے والی ہو وہ بھرپور کوشش کرے کہ لایعنی رسم و رواج کے بجائے صرف اہم اور ضروری کاموں کی انجام دہی پر اکتفا کرے۔دعوت نامہ کم خرچ والا منتخب کرے، مہنگے شادی خانوں اور ہوٹلوں کا کم خرچ والا متبادل دیکھے، ولیمہ میں انواع واقسام کے کھانوں کے بجائے ون ڈش پر اکتفا کرے، نمود و نمائش اور تفاخر و تعلّی کا جذبہ ہرگز نہ رکھے۔وہ نوجوان جن کی شادی کا موقع ہو وہ اپنے طور پر بھی ان تمام باتوں کا خیال رکھیں اور شادی کی تقریب کو کم خرچ اور آسان سے آسان تر بنانے کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی پیش کریں۔مختصر یہ کہ شادی کو سادی بنا دیں۔

اجتماعی کوششوں کی ایک اہم کڑی یہ ہے کہ شہروں اور محلوں میں اصلاحی کمیٹیاں بنائی جائیں، ان کمیٹیوں کی طرف سے بیداری مہم چلائی جائے، عوامی پروگرام کیے جائیں، جن لوگوں کے یہاں شادی ہونے والی ہو ان سے مل کر اصلاح کی درخواست کی جائے۔پوسٹر، ہینڈ بل اور کتابچے شائع کیے جائیں، سوشل میڈیا کا بھی استعمال کیا جائے۔علماء، خطباء اور نکاح خواں حضرات بھی اپنا رول ادا کریں۔خواتین میں بھی بیداری مہم چلائی جائے اس لیے کہ رسم و رواج کو بڑھاوا دینے میں خواتین پیش پیش رہتی ہیں۔واضح رہے کہ بعض مقامات پر اس قسم کی کمیٹیاں قائم ہیں اور مستعدی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہیں، انہیں اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی بھی مل رہی ہے۔لہٰذا سماج کے با اثر لوگوں کو آگے آنا چاہیے اور قوم و سماج کو ہلاکت کے راستے سے واپس لانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے۔آمین۔

☆☆☆

تحریر: شیخ ناظم المسباح
ترجمہ: عبدالمنان شکراوی
اہل حدیث منزل، دہلی

منشیات سے نوجوانوں کی حفاظت میں معاشرے کا کردار

نوجوان قوم کا ستون، اس کی ترقی کی بنیاد، اس کی تہذیب کے معمار، اس کی سرحدوں کے رکھوالے، اس کی عظمت کے کاریگر اور اس کی ترقی کا راستہ ہیں۔ وہی ہیں جو مشقتیں اٹھاتے، خطروں کا مقابلہ کرتے اور وطن سے دفاع اور قوم کی عظمت وکرامت کی حفاظت کے لئے غور وخوض میں لگے رہتے ہیں۔ نوجوان ہی انبیاء کے پیروکار اور زندگی کے چراغ ہیں جن کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا ہے اور ان میں جو نیک ہوں گے وہ میدان محشر میں اس کے سایے تلے رہیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان سات لوگوں میں ایک وہ نوجوان بھی ہوگا جو اپنے رب کی عبادت میں پلا بڑھا ہوگا۔ (مسلم) نوجوانوں کو یہ درجہ اس لیے عطا کرے گا کہ اس عمر میں قوت وطاقت کے بل پر شہوت رانی اور عیش پرستی کا زیادہ گمان وامکان ہوتا ہے، وہ عمر کے اس مرحلے میں کچھ بھی کر گذرنے کی طاقت وقوت رکھتا ہے، اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں لگا رہتا ہے تو یہ اس کے تقویٰ وپرہیزگاری کی قوی ترین دلیل ہوتی ہے۔

قوم کی تعمیر میں نوجوانوں کا کردار: امت کی تعمیر، اس کے عقیدے کے دفاع اور شہوات ومغریات کے خلاف ڈٹ جانے میں نوجوانوں کے کردار کو قرآن کریم میں بڑی ہی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدۂ حقہ کے دفاع اور اس کے مخالفین کے خلاف ڈٹ جانے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ (الانبیاء:۵۱-۶۰) ترجمہ: ’’یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔ جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے فرمایا: پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیٹھ پھیر کر چل دوگے ایک چال چلوں گا۔ پھر اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں۔ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں لفظ ’’فتی‘‘ یعنی نوجوان محل استشہاد ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نوجوان اور اپنے عقیدہ کے سلسلے میں انتہائی غیرت مند تھے۔ ان کے اندر بھرپور ہمت وشجاعت اور اللہ سے سچی محبت والفت تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر نوجوان، نبی محترم حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے جن کا دل ایمان ویقین سے معمور تھا۔ وہ کس طرح عزیز مصر کی بیوی کے بہلانے پھسلانے اور حرام شہوت سے لطف اندوز ہونے کی دعوت کے آگے بلند وبالا پہاڑ کی مانند ڈٹے رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (یوسف:۲۳) ترجمہ: ’’اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آ جاؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔‘‘

اس شاہزادی نے اسے صرف بہلایا پھسلایا ہی نہیں بلکہ اس کی خواہش پوری نہ کرنے کی صورت میں قید وبند کی دھمکی بھی دی۔ لیکن اس کے لیے کس قدر افسوس کا مقام تھا کہ وہ جو کچھ اس مومن پاکباز اور پاکدامن سے حاصل کرنا چاہتی تھی، اس

میں کامیاب نہ ہوسکی۔قرآن کریم میں اس کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے:قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (یوسف:۳۲۔۳۴)ترجمہ:''اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا، یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں، میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا، اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا۔''

فتنوں کے سامنے ثابت قدمی: مسلمانو! غور وفکر اور تدبر سے کام لو۔اور اے قوم کے نوجوانو! غور کرو کہ جب دینی مزاج نفوس وقلوب میں مضبوط ہو تو فتنوں اور خاص طور پر مردوں کے لئے سب سے زیادہ نقصاندہ اور طاقتور فتنے کا کیسے ڈٹ کر مقابلہ کیا جاتا ہے۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ماتركت بعدى فتنه اضر على الرجال من النساء**۔(احمد) ترجمہ: میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصاندہ فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔

نیز فرمایا: اتقوا النساء (مسلم) ترجمہ: عورتوں (کے فتنے) سے بچو۔

نوجوانوں کا تحفظ سب کی ذمہ داری: مسلم قوم کے نوجوانوں کے تحفظ کی ذمہ داری سب کے کندھوں پر ہے۔وہ چاہے حکمراں ہوں یا مائیں، مدرس ہوں یا معلمات۔قیامت کے دن کہا جائے گا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔الصافات:۲۴) ترجمہ:''اور انہیں ٹھہراؤ، (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب نگہبان ہو اور سب سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔امام وحکمراں نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔اسی طرح خادم اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔آدمی اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اس سے بھی اپنے باپ کے مال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔الغرض تم میں سے ہر ایک نگہبان اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔(احمد)

نوجوانوں کے تحفظ کے لئے متحد ہوں: قوم کے نوجوانوں کو جو مسائل درپیش ہیں یا جو خطرات ان پر منڈلا رہے ہیں انہیں ان سے محفوظ رکھنے کے لئے متحد ہونا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔خطرے بہت ہیں اور بڑے ہی سنگین اور مہلک، جن میں منشیات کا خطرہ سب سے بڑا اور تباہ کن ہے۔اس سے نوجوانوں کے اندر نہ اخلاق بچتا ہے اور نہ ہی دین۔نہ مردانگی رہتی ہے اور نہ ہی غیرت وحمیت۔اعزہ واقارب کے علاوہ قوم وملت کے لئے سخاوت وفیاضی کا جوجذبہ انسان کے اندر ہوتا ہے وہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔یہ اتنی بڑی قابل لعنت وملامت مصیبت ہے کہ انسانی اقدار کسی میں بھی باقی نہیں رہنے دیتی بلکہ انہیں ختم کر دیتی ہے۔چنانچہ ہم سارے انسانی معاشروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس سے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہوگئے ہیں۔اور وقت آگیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک امت کے نوجوانوں کو اس سم قاتل سے محفوظ رکھنے کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھانے کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔

دینی مزاج پیدا کریں: اے پدران ومادران! اپنی اولاد کے اندر دینی مزاج پیدا کرو۔دینی فرائض وواجبات کی ادائیگی کا انہیں حکم دو اور گناہ ومعصیت کے کاموں سے روکو۔جمعہ وجماعت اور علم وذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کی ترغیب دو۔کیونکہ دینی مزاج منشیات وغیرہ سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے۔

اولاد کی چال چلن کا دھیان: اے ماں باپ! گھر اور گھر سے باہر نیز مدرسے اور عام مقامات میں اپنی اولاد کے چال چلن پر نظر رکھو۔ان کے دوست واحباب نیز ہمنشینوں پر نگاہ رکھو اور انہیں نافرمان، نشیڑیوں کی بری صحبت سے بچاؤ کیونکہ ان بروں کی صحبت کے ان پر برے اثرات مرتب ہوں گے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔''(ابوداود) ایک اور موقعہ پر فرمایا: مومن ہی کی صحبت اختیار کرو، اور تمہارے کھانے کو پرہیزگار لوگ ہی کھائیں۔''(ابوداود) کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

عن المرء لاتسئل وسل عن قرينه
فكل قرين بالمقارن يقتدى

آدمی کے بارے میں نہ دریافت کرو بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں دریافت کرو کیونکہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کے راستے پر چلتا ہے۔

اپنا مشن پورا کرو: اے پدر! اپنے بیٹوں کی تربیت کی ذمہ داری بخوبی نبھا۔اس کی نگرانی کر۔خیر خواہی کر۔اس کے لئے اپنے کردار وگفتار سے نمونہ پیش کر۔ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کر۔اس سلسلہ میں کبھی بھی لاپرواہی نہ

برت کہ انہیں تمہارے زندہ رہتے ہوئے بھی یتیموں جیسی زندگی گذارنی پڑے۔شوقی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لیس الیتیم من انتھی ابواہ من
ھم الحیاۃ وخلفاہ ذلیلا
ان الیتیم ھو الذی تلقی لہ
أما تخلت أو أبا مشغولا

یتیم وہ نہیں جس کے ماں باپ نے زندگی کو خیر باد کہہ دیا ہو۔بلکہ یتیم وہ ہے جس کے ماں باپ زندہ تو ہوں لیکن زندہ رہتے ہوئے بھی اسے ذلیل ہونے کے لئے چھوڑ رکھا ہو۔بیشک یتیم وہ ہے جس کی ماں کو تم اس سے بے خبر اور باپ کو اس کی طرف سے مشغول پاؤ۔

نئی نسل کی تربیت بڑی امانت: اے مدرسین ومعلمات!تم نے نسلوں کی تربیت کی ذمہ داری جو کہ ایک عظیم امانت ہے اسے اپنے ذمہ لیا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق بخشے۔بچوں کی تربیت میں اعلیٰ اقدار پیدا کرنے کے لئے اپنی کوششوں میں اضافہ کرو،اپنے طلبہ کو اس مہلک وملعون زہر سے بچاؤ۔انہیں وہ واقعات وحادثات بتاؤ،جن منشیات میں مبتلا لوگ ہلاک وبرباد ہوگئے۔ایسے لیکچرز اور سمپوزیموں کا انعقاد کرو نیز پمفلٹ اور آڈیو وویڈیو کیسٹ عام کرو جن سے ان آفات ومصائب سے چھٹکارے کے لئے بیداری آئے۔اپنے طلبہ کے چال وچلن اور کردار پر نگاہ رکھو۔مدرس کا مشن لیکچر دے کر ہال سے نکل جانے کے بعد پورا نہیں ہوجاتا۔بچوں کو خالی وقت کے صحیح استعمال کا طریقہ بتاؤ۔خالی وقت کے دروازے ہی سے شیطان اور اس کے معاونین نوجوانوں کے دماغ میں داخل ہوتے ہیں اور ان کے دین واخلاق اور مستقبل کو برباد کرتے ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی فرمایا ہے: دونعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ اپنا نقصان کرتے ہیں(یعنی قدر نہیں کرتے) ایک تندرستی دوسری فراغت(فرصت کے اوقات)۔(بخاری ومسلم)

آپ کا کردار اہم ہے: اے خطباء وواعظین اور قائدین ودعاۃ! منشیات کو ختم کرنے میں آپ کا کردار نمایاں ہے۔اللہ کے گھروں کی شان وشوکت دوبالا کرنے کی ذمہ داری آپ کے اوپر ڈالی گئی ہے۔آپ ان کے اندر جمعہ وجماعت ،عیدین ودیگر تقریبات میں عام نمازیوں کی پیشوائی کرتے ہیں۔لہٰذا منشیات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو تیز کردیں۔اس سلسلے میں جو اللہ تعالیٰ کے احکام وفرامین اور ائمہ دین کے اقوال ہیں ان کو دلیل اور ثبوت کے ساتھ بیان کریں۔اللہ کے گھروں کو آباد اور قرآن کریم ،ذکر وعلم کے حلقات قائم کرکے امت کے اندر دینی مزاج مضبوط کرنے کی جدوجہد کریں۔کیونکہ امت، خاص طور پر نوجوانوں کی تعمیر میں مسجد کا پیغام اور اس کا کردار بڑا ہی اہم ہے۔

عظیم نسل(جنریشن): حکومت اسلامی کی راجدھانی مدینہ منورہ کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد جو سب سے پہلا کام آپ نے سرانجام دیا وہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر تھی۔اس مبارک مسجد کے پیغام کو آپ نے بہ نفس نفیس انجام دیا۔اس میں خطبہ دیا،درس دیا، ذکر واذکار کیا اور تربیت کی ذمہ داری انجام دی۔اور اپنے اصحاب کی ایک عظیم نسل تیار کی۔انہیں کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تھا:''اگر کسی کو طریقہ اختیار کرنا ہے تو ان کا طریقہ اختیار کرے جو اس دنیا سے کوچ کرگئے ہیں۔یہ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں جو اس امت کے سب سے اچھے،سب سے زیادہ نیک دل،سب سے زیادہ گہرے علم والے اور کم سے کم تکلف والے تھے،وہ ایسے لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت وہمنشینی کے لئے منتخب فرمایا تھا،کعبہ کے رب کی قسم وہ سیدھے راستے پر تھے۔''

اسی پاکباز نسل(جنریشن) نے بھلائی،ہدایت اور درستگی کو کرۂ ارض پر عام کیا اور لوگ ان کی صلاح ودرستگی،استقلال واستقامت اور ان کے علم وفضل سے فیضیاب ہوئے۔اس نسل نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد جو کہ قرآن کریم علم وذکر کی مجالس سے آباد تھی اس سے فراغت حاصل کی تھی۔خیر وہدایت اور صلاح کے داعیو!میں آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ کے فرمان کی خوشخبری سناتا ہوں:''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی تمہارے معمولی آدمی پر میری۔''پھر آپ نے فرمایا: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اور زمین وآسمان کے مکین یہاں تک کہ اپنے بل میں چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر وبھلائی سکھانے والوں کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی ہیں۔(ترمذی)

معاشرے کے امن وامان کی ذمہ داری: اے وہ لوگو جو سوسائٹی ومعاشرے کے امن وامان کے ذمہ دار ہو! جو ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے وہ بہت ہی بڑی ہے۔کیونکہ سوسائٹی کا امن وامان اور نوجوانوں کی منشیات ودیگر آفات سے حفاظت تمہاری گردنوں پر امانت ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں آپ کی مدد فرمائے اور جو آپ کا مشن ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اسے ادا کرنے کی توفیق بخشے۔آپ لوگ بادشاہ یا حکومت کا ڈنڈا ہیں جس کی ذمہ داری دین ومذہب،اخلاق وعادات اور امن وامان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور بقول خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:''بیشک اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ذریعہ ان چیزوں سے روک دیتا ہے جن سے قرآن کے ذریعہ نہیں روکتا۔''(تاریخ مدینہ)یعنی بہت سے کمزور ایمان والے لوگ قرآن کی زجر وتوبیخ،ڈانٹ ڈپٹ کو خاطر میں نہیں لاتے، گناہوں سے باز نہیں آتے اور اس کے احکام وفرامین کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ طاقت کی زبان سمجھتے ہیں اور بادشاہ یا حکومت کے ڈنڈے کے ڈر سے برائیوں کے

ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔

نشہ آور مواد کی خرید وفروخت کرنے والوں کو ان کی ضلالت وگمراہی سے وعظ ونصیحت باز نہیں رکھ پاتی بلکہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے اللہ کی توفیق اور اس کی نصرت سے ان کے ذریعہ انہیں باز رکھا جاسکتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کے مجرموں پر ارباب حکومت نیز اس کی مشینریاں سختی کریں اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی رورعایت نہ کی جائے۔ کیونکہ ان کی خطرناکی وسنگینی بہت زیادہ ،اور برائی بہت پھیلنے والی نیز دین، عقل، مال اور اخلاق کے لئے مصیبت بہت بڑی ہے۔اس سلسلے میں جو بھی محنت کی جائے گی اور ان کا مقابلہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب عطا کرے گا اور قوم وملک اسے فراموش نہیں کرے گا۔

ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری: ذرائع ابلاغ کے ذمہ دارو! امت کے نوجوانوں کی حفاظت اور صحیح عقیدہ اوراچھے اخلاق کی جانب رہنمائی نیز انہیں تمام خطروں خصوصا منشیات جو اس وقت تمام انسانی معاشروں کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں سے محفوظ رکھنے میں ذرائع ابلاغ کا بہت اہم کردار ہے۔جدید ذرائع ابلاغ جن سے چھوٹے بڑے، مرد وزن، قریب والا دور والا، سب منسلک ہیں اس کا اخلاق وعقیدہ پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں سے متعلق پاکیزہ، بامقصد، پرکشش اور حالات کے مطابق پروگرام منعقد کئے جائیں جو نوجوانوں کو متوجہ کرسکیں اور اثر انداز ہوکر انہیں بھلائی، ہدایت، درستگی کی جانب گامزن کرسکیں نیز تمام خطرات، خاص طور پر ملعون منشیات کی مصیبت سے باز رکھ سکیں۔

رضاکارانہ ذمہ داری: عام نفع وخیر کے اداروں کے ذمہ دارو! رضا کارانہ کام کو اگر آدمی ثواب کی نیت سے انجام دیتا ہے تو اس سے اسے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور ایمان میں بڑھوتری نیز مال وجسم میں برکت ہوتی ہے۔ ہمارے لئے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ ہم اس دنیوی زندگی میں اپنی اخروی زندگی اور اللہ سے ملاقات کے دن کے لئے توشہ تیار کرلیں۔ دوستو! جو آپ اس سلسلے میں خدمات انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ان کا بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے نوجوان بھائیوں اور بہنوں کے سلسلے میں مزید محنت کی توفیق بخشے۔ کیونکہ جس حملے کے وہ شکار ہیں وہ بہت ہی بڑا اور خطرناک ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن علمی وعملی صلاحیتوں وطاقتوں سے نوازا ہے نوجوانوں کی حفاظت کے لئے انہیں بروئے کار لائیں۔

لکچرز، سمپوزیمز اور مختلف ریفریشر کورسز نیز پمفلٹز وفولڈرز جن سے نوجوانوں کے مسائل حل ہوں اور انہیں خطرات سے بچایا جاسکے ان کی بڑی اہمیت ہے۔اسی طرح تفریحی پروگرام جنہیں ایماندار لوگ منعقد کریں ان کا بھی نوجوانوں کی حفاظت اور منشیات وغیرہ سے بچانے میں اہم کردار ہے۔

نشہ آور اشیاء کے نقصانات: نشہ آور اشیاء کے بڑے نقصانات ہیں۔یہ ہمارے تروتازہ، تندرست وتوانا نوجوانوں کو سوکھی لکڑی کی مانند اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بنادیتے ہیں اور اس طرح ہمارا انسانی سرمایہ اور قومی اثاثہ برباد ہوجاتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ان منشیات کی بھینٹ چڑھ گئے۔یہ ابھرتے ہوئے نوجوان ان کے پاس جو سرمایہ ہوتا ہے اسے برباد کردیتے ہیں۔مال ودولت ختم ہوجاتی ہے تو اپنا قیمتی اثاثہ فروخت کرکے اپنے نشے کا شوق پورا کرتے ہیں۔ بیچنے کے لئے جب کچھ بھی نہیں باقی رہتا تو چوری کرنے لگتے ہیں اور کرتے کرتے اتنے ماہر وںڈر ہوجاتے ہیں کہ بنکوں اور تجارتی مراکز پر ہاتھ صاف کرنے لگتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (المائدۃ:۳۳) ترجمہ: ’’ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کردیئے جائیں یا سولی چڑھادیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں ، یا انہیں جلاوطن کردیا جائے ، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔‘‘ ان کی ڈھٹائی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اگر کوئی ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اسے قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مرتکب ہوتے ہیں: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (النساء:۹۳) ترجمہ: ’’اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کرڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے۔‘‘

اخبارات میں روزمرہ ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں جن کی خوفناکی اور دلدوزی سے دل زخمی اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔ان میں کسی بیٹے نے دولت کی خاطر اپنے باپ ہی کو قتل کرڈالا، کوئی اپنے کسی قریبی ہی کی توہین وتذلیل کررہا ہے، کوئی اپنی زندگی جیلوں میں گذار دیتا ہے یا زہر پی کر موت کو گلے لگالیتا ہے یا کسی اور ذریعہ سے خودکشی کرلیتا ہے۔ جبکہ خودکشی کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے پہاڑ سے گر کر اپنے آپ کو ختم کرلیا تو وہ جہنم میں جائے گا اور اپنے آپ کو قیامت تک ایسے ہی گراتا رہے گا۔ (بخاری)

(بشکریہ ہفت روزہ الفرقان، کویت)

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

نیوزی لینڈ کی مساجد میں نمازیوں پر حملہ قابل مذمت

دہلی، ۱۷ر مارچ ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے نیوزی لینڈ کی دو مسجدوں میں اندھادھند فائرنگ اور دہشت گردانہ حملہ جس میں ۴۹ لوگ جاں بحق ہوگئے، کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور اسے انسانیت کے خلاف بزدلانہ، وحشیانہ، انسانیت سوز اور انتہائی افسوسناک کارروائی قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کہیں بھی ہو اور کسی بھی بنیاد پر انجام دی جائے وہ بہر حال قابل مذمت ہے لیکن عبادت گاہیں جہاں مالک الملک کی پرستش کی جاتی ہے، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں اور وہاں انسانیت کا درس دیا جاتا ہے وہ بھی رنگ ونسل کے بھید بھاؤ اور دہشت گردی سے محفوظ نہیں رہ گئی ہیں جو بلا لحاظ مسلک ومذہب وقوم ونسل پوری انسانیت کے لیے ایک المیہ اور لمحہ فکریہ ہے۔ اس طرح کی حرکتوں کی کوئی بھی مذہب اور سماج اجازت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ان انسانیت دشمن بدبختانہ کارروائیوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

امیر محترم نے مزید فرمایا کہ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا بدبختانہ عمل ہے۔

محترم امیر جمعیت نے اپنے اخباری بیان میں عالمی برادری سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان انسانیت سوز اور بزدلانہ وبدبختانہ حرکتوں کے سدباب کے لئے مؤثر پالیسی مرتب کرے اور کسی خارجی امر سے متاثر ہوئے بغیر ایماندارانہ سوچ کے تحت مذہب، رنگ ونسل کے بھید بھاؤ کے بغیر دہشت گردی کے عفریت کا سر کچلنے کا انتظام کرے تاکہ انسانیت روزمرہ کی اس روح فرسا مصیبت سے نجات پاسکے اور عالمی سطح پر پرامن شہریوں کی جان و مال محفوظ رہ سکیں۔ امیر جمعیت نے اپنی پریس ریلیز میں معصوم جانوں کے جانے پر شدید رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے لیے شہادت کے درجہ پر فائز ہونے کی دعا کی اور مہلوکین کے پسماندگان کے ساتھ اظہار تعزیت اور متاثرین سے اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اور پرامن رہنے اور کسی بھی طرح کے بیجا جوش کا شکار نہ ہونے کی عوام وخواص سے اپیل کی ہے۔

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر وناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔ مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹرہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے درخواست بنام ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر یا ناظم کا، ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان'' (اُردو)، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔ درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔ کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

جماعتی خبریں

معهد التوحید والسنہ، حیا گھاٹ دربھنگہ میں جلسہ پیام امن وانسانیت کانفرنس ودستار بندی کا

انعقاد: ۱۲/مارچ بروز منگل بعد نماز مغرب معہد التوحید والسنۃ حیا گھاٹ دربھنگہ میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند پیام امن وانسانیت کانفرنس وجلسہ دستار بندی کا انعقاد عمل میں آیا۔ جلسہ کا آغاز قاری ظل الرحمٰن فاروقی کی تلاوت سے ہوا جبکہ نعت ونظم کاشف الرحمٰن سمیع الرحمٰن نے پیش کیا، اس کے بعد قاری شمش الرحمٰن جامعی قاری ظل الرحمٰن فاروقی نے اس نورانی اجلاس میں شریک ہونے والے علماء ومشائخ کا شکریہ ادا کیا، قاری حبیب الرحمٰن رحمانی نے معہد التوحید والسنہ ماضی اور حال کے آئینے میں اپنا جامع خطبہ پیش کیا اسکے بعد فارِغین حفّاظ کی دستار بندی کی گئی اس بابرکت جلسہ میں ملک کے جن سرخیل اور مقتدر علماء کرام نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد علی مدنی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار، مولانا خورشید عالم مدنی، مولانا ذکی مدنی، مولانا عرفان سلفی، مولانا سمیع الرحمٰن، مولانا حافظ خورشید مدنی، مولانا صابر قاسمی صاحبان۔ اس مبارک موقع پر علماء اور مشائخ نے خطاب فرمایا، صدر اجلاس فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے فرمایا کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے مذہب اسلام نے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیا ہے۔ اسلام امن وسلامتی کا علمبردار ہے، اگر آج بھی مذہب اسلام کے عدل وانصاف، حسن اخلاق، اخوت ومساوات کے فلسفے کو مان لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو ساری دنیا عدل وانصاف، امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائیگی، مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے اخلاق وکردار کو درست کرنا چاہیئے اور سلف وصالحین کی تعلیمات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لینا چاہیے، مولانا خورشید مدنی نے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بہت ساری غلط رسم ورواج کو کتاب وسنت کے خلاف بتایا اور کہا کہ مسلمانوں کو اپنے اچھے اخلاق وکردار کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا چاہیئے، دوسرے علماء کرام نے بھی اصلاح معاشرہ پر جامع بیان فرمایا، کہا کہ ملک میں امن وسلامتی کی فضا بنائے رکھیں. حضرت مولانا فیصل مدنی نے کہا کہ اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم ضرور دلوائیں مگر اس سے پہلے بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرائیں۔ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب ناظم امارت شرعیہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا توحید وسنّت ہمارے عقیدہ کا وہ اثاثہ ہے جس پر قائم رہ کر بڑی سے بڑی بلندیاں حاصل کرسکتے ہیں۔ نظامت کا فریضہ مولانا ہاشم فیضی سلفی نے دیا رئیس المعہد حضرت قاری حبیب الرحمٰن رحمانی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

انتخاب جدید صوبائی جمعیت اہل حدیث جھار کھنڈ

جھار کھنڈ: بتاریخ ۱۰/مارچ ۲۰۱۹ء بروز اتوار بمقام مرکز السلام التعلیمی گمانی، برہروا، صاحب گنج میں صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کا انتخاب جدید عمل میں آیا، وقت مقررہ پر مجلس کا آغاز زیر صدارت فضیلۃ الشیخ مولانا جرجیس سلفی صاحب سابق ناظم مدرسہ محمدیہ ڈابھا کیند ہوا۔ ۱۳ تیرہ اضلاع کے نمائندے اراکین مجلس شوریٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ نے اپنے صوابدید کے ساتھ صاف شفاف دستوری اور امن وسکون کے ماحول میں مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب کیا۔

امیر جناب قاری یونس اثری صاحب، نائب امیر جناب عبدالرؤف عالیاوی صاحب، نائب امیر جناب اشرف نواب جمشید پوری صاحب، نائب امیر مولانا معین الحق فیضی صاحب، ناظم اعلیٰ جناب عقیل اختر یوسف مکی صاحب، نائب ناظم مولانا محمد شمس الحق عبدالحق سلفی صاحب، نائب ناظم مولانا قطب الرحمٰن فیضی صاحب، نائب ناظم جناب حاجی اقبال صاحب رانچی، خازن مولانا یونس صدیقی صاحب حفظہم اللہ

مشاہد کی حیثیت سے فضیلۃ الشیخ محمد ہارون سنابلی صاحب حفظہ اللہ وتولاہ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند شریک ہوئے اور اس موقع پر فضیلۃ الشیخ جرجیس سراجی حفظہ اللہ وتولاہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی جو علاقے میں دعوتی پروگرام میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے، اور انجینئر عظمت اللہ صاحب ناگپوری حفظہ اللہ وتولاہ مشیر تعمیری امور برائے مرکز شری کنڈ بھی موجود تھے۔ (محمد شمس الحق سلفی نائب ناظم)

یک روزہ دعوتی واصلاحی کانفرنس بعنوان "فلاح انسانیت اختتام پذیر"

۴/مارچ ۲۰۱۹ء بروز سوموار زیر صدارت شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ایک شاندار کانفرنس منعقد ہوئی۔ تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مولانا کعبۃ اللہ سلفی "موجودہ حالات میں نوجوانوں کا کردار" اور مولانا عبدالعزیز عمری "شرعی نکاح اور طلاق" ڈاکٹر محمد ابراہیم المدنی "توحید اور اس کے ثمرات" مولانا ڈاکٹر امان اللہ المدنی "راہ نجات" کے عنوان پر مدلل اور سیر حاصل گفتگو کی۔ دوسری نشست وقفہ ظہر کے بعد شروع ہوئی جس میں فضیلۃ الشیخ محمد علی السّلفی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار نے مرکزی عنوان کے پیش نظر انسانیت کی فلاح وبہبود پر خطاب فرمایا جس کے کنوینر رہے مولانا عبداللہ اسحاق ندوی اس کے بعد مولانا کمال الدین سنابلی صاحب نے "اتحاد امت کیوں اور کیسے" کے عنوان پر تقریر کی۔ تیسری نشست بعد نماز عصر شروع ہوئی۔ جس کی صدارت مولانا عبدالعلیم سلفی صاحب نے فرمائی۔ مولانا قسیم الدین سلفی نے "حرام خوری اور اس کی قباحتیں اور نقصانات" کے عنوان پر پرمغز خطاب کیا۔ پھر مولانا منصور عالم السّلفی نے "اسلام میں عورتوں کا مقام" پر مفصل باتیں کیں بعدہ صدر مجلس نے صدارتی کلمات پیش کئے۔

چوتھی نشست بعد نماز مغرب امیر محترم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کی صدارت میں شروع ہوئی۔ جس کی نظامت مولانا محمد داؤد اسلامی ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث سپول نے انجام دیا اور جماعت کی رپورٹ پیش کیا۔

اس نشست میں مولانا نظام الدین المدنی، مولانا فیروز عالم الندوی مولانا مطیع

الرحمٰن سلفی نے تاثراتی کلمات پیش کئے۔ جس میں خصوصی طور پر یہ بات بھی آئی کہ بدرالدین اجمل ممبر آف پارلیامنٹ کے ذریعہ سلفیان ہند کے اوپر بے جا اور بے بنیاد اتہام لگانے پر سخت مذمت کی گئی اور تنبیہ کی گئی کہ آئندہ اس قسم کے زبان درازی سے احتراز کریں۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ دہشت گردی میں ایک بھی فرد، سلفیوں میں سے آج تک نہیں پایا گیا۔

تاثرات کے بعد مولانا سیف الدین ندوی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ یہ کانفرنس اصلاحی ودعوتی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی خصوصیت یہ رہی کہ اسلام کا پیغام امن وسلام برادران وطن (غیر مسلموں) کے نام جہاں ایک معتد بہ تعداد غیر مسلموں کو دعوت دی گئی تھی۔ جس کے لئے مولانا مطیع الرحمٰن صاحب چترویدی مظفر پوری نے ''اسلام کا تعارف ویداور قرآن کی روشنی میں'' کے عنوان پر مدلل خطاب فرمایا۔ اس کے بعد صدر اجلاس امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغرعلی امام مہدی سلفی نے ''فلاح انسانیت'' کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت ہی مؤثر انداز میں صدارتی کلمات اورخطاب عام سے سامعین کومستفیذ فرمایا۔ خاص طور پر احباب جماعت وجمعیت کوسنت کی اتباع اوردعوت دین میں متحرک رہنے کی تلقین کی اس کے بعد مولانا قمرالہدیٰ اسلامی نے ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے کانفرنس کے اختتام کا اعلان کیا۔ اس ایک روزہ کانفرنس کی خصوصیت یہ رہی کہ علاقائی روایات کے برعکس نو بجے صبح سے نو بجے رات تک باضابطہ پروگرام کامیابی کے ساتھ ہوا اور سامعین روزمرہ کے مسائل پر علماء کے خطابات سننے کو ترجیح دیا اور کثیر تعداد میں شریک کانفرنس رہے۔ پہلی نشست کی صدارت مولانا اکرام الحق مفتاحی امیر ضلع نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو قبول فرمائے۔ آمین (محمد داؤد اسلامی ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث سپول، بہار)

وفات حسرت آیات: مولانا اسرار احمد ندوی صاحب استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کے والد محترم اکبر علی عرف ملاجی (محمد عامر بن محبوب علی) ۱۵/جنوری ۲۰۱۹ بروز منگل آٹھ بجے شب دارفانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بارہ بنکی کے باثر ومعتبر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ خوش اخلاق، ملنسار، مسلک سلف اور سلفیت کے شیدائی کے ساتھ ایک کامیاب تاجر تھے۔ آپ نے زندگی کی ۸۵ بہاریں دیکھیں۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا اسرار احمد ندوی صاحب نے پڑھائی۔ ہزاروں کی تعداد میں جماعت وغیر جماعت اورعمائدین قصبہ نے شرکت کی۔ بڑے بھائی مولانا سلطان عبدالعزیزؒ کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں کو درگذر فرمائے۔ ان کی نیکیوں کو قبول فرما کر جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ آمین (غمزدہ عمر سلطان سلفی، امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث بارہ بنکی یوپی 9839509424)

☆☆☆

أبيات ترحيبية

بولي العهد الأمين سمو الأمير محمد بن سلمان بن عبدالعزيز آل سعود رعاه الله

جادت بها قريحة فضيلة الشيخ أصغرعلي إمام مهدي السلفي

أيها الضيف الشرف أهلا وسهلا مرحبا
يا محمد يا بن سلمان قدمتم مرحبا

قد تفضلتم ونورتم بلادا واسعا
في وطنك الثاني أتيتم ياحبيبي مرحبا

وقد جاء المحب ونحن فرح
إلى بلد الأحباب والصحب مرحبا

يا زعيم العصر ،داهية العرب والمسلمين
كن عظيما فائقا قمرا منيرا مرحبا

"والعجم" كادوا كثيرا ضد عرب والعجم
وأنت أرغمت المجوس في اليمن يا مرحبا

العدو قد وقع في حفره فيما حفر
حيث كان المكر في اليمن رهيبا مرهبا

فأتيت من فوق الزمان وتحته وأمامه
عاصفا حزما شديدا فاتحا يا مرحبا

"والهند هندك" والبلاد وأهلها
كل فداك ياحبيب بلادنا قد مرحبا

يا رسول الأمن والخيرات والبركات معا
أنت غيث في بلاد الهند تمطر مرحبا

كم كان أصغر (١) جاذلا بقدومه
فرحان في قصر الرئاسة يا محمد مرحبا

(١) كان فضيلته لدى استقبال سموولي العهد على مائدة العشاء أعدت على شرف سموه في قصر رئيس الجمهورية الهندية